دار الافتاء اہلسنت سے جاری شدہ منتخب

رمضان کے فتاویٰ

پیشکش:

مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

پیشکش

مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

فہرست

متفرقات

روزہ کس پر فرض ہے

فتویٰ: 1

بچوں کو روزہ رکھوانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس طرح بچے کو سات سال کی عمر میں نماز کا کہنے کے بارے میں حکم ہے اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے کی صورت میں مارنے کا بھی حکم ہے، تو کیا روزے کے بارے میں بھی یہی حکم شرعی ہے یا پھر کچھ اور ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جی ہاں! بچے کو روزے کا حکم دینا بھی نماز کی طرح حکم رکھتا ہے۔ یعنی جب سات سال کا ہو جائے، تو روزہ رکھنے کا کہا جائے، جبکہ اس کی طاقت رکھتا ہو اور دس سال کا ہو جائے، تو بچے کو مار کر روزہ رکھوایا جائے۔

علامہ شمس الدین محمد خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ”ویؤمر الصبی بالصوم اذا اطاقه کما قال ابو بکر الرازی وعن محمد رحمه اللہ انه یؤدب حینئذ وقال ابو حفص انه یضرب ابن عشر سنین علی الصوم کما علی الصلوۃ وھو الصحیح“ ترجمہ: بچے کو روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا جبکہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہو۔ امام ابو بکر رازی علیہ الرحمۃ نے اسی طرح بیان کیا اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ بچے کو اس وقت (روزے کے) آداب سکھائے جائیں اور امام ابو حفص علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دس سال کے بچے کو روزہ نہ رکھنے پر اسی طرح مارا جائے جس طرح نماز نہ پڑھنے پر (مارنے کا حکم ہے) اور یہی صحیح ہے۔

(جامع الرموز، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 374، مطبوعہ کراچی)

علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "ویؤمر الصبي بالصوم إذا أطاقه ویضرب علیه ابن عشر کالصلاة في الأصح "ترجمہ: اصح قول کے مطابق بچے کو روزے کا حکم دیا جائے گا جبکہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہو اور دس سال کا ہونے پر اس کو (روزہ نہ رکھنے پر) مارا جائے جیسے نماز کے بارے میں حکم ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "قال ط وقدر بسبع والمشاهد في صبیان زماننا عدم إطاقتهم الصوم في هذا السن ،قلت یختلف ذلک باختلاف الجسم واختلاف الوقت صیفا وشتاء والظاهر أنه یؤمر بقدر الإطاقة إذا لم یطق جمیع الشهر "ترجمہ: علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ (روزہ رکھنے کی طاقت) کی عمر سات سال مقرر کی گئی ہے اور ہمارے زمانے میں مشاہدہ یہ ہے کہ بچے اس عمر میں روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں کہتا ہوں طاقت ہونا جسم اور سردی گرمی میں وقت کے مختلف ہونے سے بدل جائے گی اور ظاہر یہ ہے کہ بچہ پورے مہینے کے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو اس کی طاقت کے برابر روزے رکھوائیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الخ، جلد3، صفحہ442، مطبوعہ کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:2

شوگر اور روزہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میری والدہ کی عمر 57 سال ہوگئی ہے اور وہ شوگر کی سخت مریض ہیں۔ انہوں نے روزے نہیں رکھے، تو کیا اب فدیہ دے سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

آپ کی والدہ نے جو روزے چھوڑے ہیں، وہ شوگر کی بیماری کی وجہ سے چھوڑے ہیں اور بیماری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرنا ہوتی ہے، تو آپ کی والدہ اگر گرمیوں میں روزے نہیں رکھ سکتیں، تو سردیوں میں رکھ لیں اور اگر اکٹھے نہیں رکھ سکتیں، تو علیحدہ علیحدہ رکھ لیں اور اگر بالکل ہی کبھی بھی روزہ نہ رکھنے کی امید ہو کہ بدن کی حالت و کیفیت ایسی ہو چکی ہے کہ ضعف میں دن بدن اضافہ ہی ہو گا اور نہ تو اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے اور نہ آئندہ اس کی کوئی امید، تو اب کفارے کی اجازت ہے۔ پھر اگر فدیہ دینے کے بعد آپ کی والدہ کی صحت روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے، تو فدیہ کا حکم ختم ہو جائے گا اور آپ کی والدہ کو ان روزوں کی قضاء کرنا ہو گی اور ایک روزے کا فدیہ ایک فقیر کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا یا ایک صدقہ فطر کی مقدار رقم فقیر شرعی کو دینا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ ترجمہ کنز الایمان: "تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔"

اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اس سے مراد وہ شخص ہے جس میں اب بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور آئندہ آنے کی امید نہ ہو، جیسے بہت ضعیف بوڑھا یا مرض موت میں مبتلا اور اگر کفارہ دینے کے بعد طاقت آگئی تو پھر روزہ قضاء کرنا ہو گا۔"

(کنز الایمان مع تفسیر نور العرفان، پارہ 2، سورۃ البقرہ، آیت 184)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 547، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

ہدایہ مع بنایہ میں ہے: "(ولو قدر علی الصوم) بعد ما ادی الفدیۃ (یبطل حکم

الفداء) و یجب علیه القضاء "ترجمہ: اور اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو فدیہ کا حکم باطل ہو جائے گا اور اس پر روزوں کی قضاء فرض ہے۔

(البنایہ شرح ھدایہ، کتاب الصوم، جلد 4، صفحہ 84، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "ہر روزہ کے بدلے میں فدیہ یعنی دونوں وقت ایک مسکین کو بھر پیٹ کھانا کھلانا اس پر واجب ہے یا ہر روزہ کے بدلے میں صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دیدے۔"

(بہار شریعت، جلد 1، صفحہ 1006، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ: 3

سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی رمضان المبارک میں سفر شرعی میں ہو تو اسے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مسافر کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے، جب اس مسافر یا اس کے ساتھ والے کو اس روزہ رکھنے سے ضَرَر (نقصان) نہ ہو، تب تو بہتر یہ ہے کہ روزہ رکھ لے اور اگر روزہ رکھنے سے اس کو یا ساتھ والے کو ضرر پہنچے تو اب نہ رکھنا بہتر ہے، لیکن یہ مسئلہ ذہن میں رہے کہ دن میں سفر کرنا ہو اور صبح صادق کے وقت مسافر شرعی نہ ہو تو دن میں سفر کرنے کی وجہ سے اس دن روزہ چھوڑنے کی رخصت نہیں، بلکہ اس دن کا روزہ رکھنا ہو گا۔

نوٹ: مسافر جس صورت میں رمضان المبارک کا روزہ چھوڑ سکتا ہے رمضان المبارک کے بعد اسے اس

روزے کی قضا کرنا فرض ہے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:4

50 سال سے زیادہ عمر ہو تو پچھلے سالوں کے قضا روزوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اس وقت والد صاحب کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے لیکن فی الحال روزہ رکھنے کی صلاحیت ہے اور روزہ رکھ بھی رہے ہیں۔ ہمارے والد صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں جان بوجھ کر بہت سے روزے قضا کر دیے ہیں، اب معلوم یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان قضا روزوں کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ قضا روزے ہی رکھنا ضروری ہے یا ان کی جگہ فدیہ بھی دے سکتے ہیں؟ اگر فدیہ دینے کی اجازت ہے تو ایک روزے کا کتنا فدیہ ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں آپ کے والد صاحب نے اپنی زندگی میں جتنے روزے جان بوجھ کر ترک کیے ہیں، ان روزوں کو قضا کرنا ان پر فرض ہے۔ لگاتار ضروری نہیں، چھوڑ چھوڑ کر بھی رکھ سکتے ہیں۔ یونہی سردیوں میں رکھنا آسان ہوتے ہیں، اس موسم میں رکھ لیے جائیں۔ الغرض جتنا جلدی ہو سکے روزے قضا ہی کرنے ہوں گے، فدیہ یا کفارہ دینا کافی نہیں ہے۔ ساتھ میں روزہ چھوڑنے کے گناہ سے توبہ کرنا بھی لازم ہے۔

یاد رہے کہ فدیے کا حکم صرف شیخ فانی کے لیے ہے، ہر ایک کے لیے نہیں ہے۔ شیخ فانی سے مراد وہ شخص ہے، جو بڑھاپے کے سبب اتنا کمزور ہو چکا ہو کہ اس میں حقیقتاً روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔

نہ سردی میں، نہ گرمی میں، نہ لگاتار اور نہ متفرق طور پر اور آئندہ زمانے میں بھی ضعف بڑھنے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت ہونے کی امید نہ ہو۔

سیدی اعلی حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: "بعض جاہلوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لیے جائز ہے، جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سببِ پیرانہ سالی (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے) حقیقتاً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضعف بڑھے گا اس کے لیے فدیہ کا حکم ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ521 رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اس عذر کے جانے کی امید نہ ہو جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اسے ایسا ضعیف کر دیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کر کے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ547، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی امجدیہ میں فرماتے ہیں: "جتنے روزے فوت ہوگئے ان کی قضا رکھے کفارہ کی کچھ حاجت نہیں۔ نہ فدیے کی ضرورت۔" اور اسی کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ "جتنے روزے ذمہ ہیں جب تک اس کو قوت ہو فرض ہے کہ ان کی قضا کرے۔ قوت ہوتے ہوئے ان کا فدیہ ادا کرنا کافی نہ ہو گا۔"

(فتاوی امجدیہ، جلد1، صفحہ396، مکتبہ رضویہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ: 5

امتحانات کی وجہ سے طلبا کا رمضان کے روزے قضا کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ رمضان المبارک موسم گرما میں آرہا ہے، کیا سالانہ امتحانات کی وجہ سے طلبا کا رمضان کے فرض روزے قضا کرنا، جائز ہے؟ نیز جو والدین بچوں کے اس فعل سے راضی ہوں یا خود روزے چھڑوائیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

ہر عاقل و بالغ مسلمان پر رمضان کا روزہ فرض ہے، بلا عذرِ شرعی اس کا چھوڑنا گناہ ہے اور سالانہ امتحانات یا گرمی شرعاً فرض روزہ چھوڑنے کا قابلِ قبول عذر نہیں ہیں، لہٰذا بالغ طلبا تو بیان کردہ اعذار کی بنا پر فرض روزہ چھوڑنے پر گنہگار ہوں گے ہی، ان کے والدین بھی اگر بلا عذرِ شرعی روزہ چھڑوائیں گے یا چھوڑنے پر باوجودِ قدرت پوچھ گچھ نہ کریں گے تو وہ بھی گناہگار ہوں گے۔

طالبِ علم کے نابالغ ہونے کی صورت میں اگرچہ اس پر روزہ فرض نہیں ہے اور بے عذر چھوڑے بھی تو گنہگار نہ ہوگا، لیکن جب سات سال کے بچے کو روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو والدین پر لازم ہے کہ اسے روزہ کا حکم دیں اور گیارہویں سال کے بعد والدین پر واجب ہے کہ روزہ چھوڑنے پر بچے کو سزا دیں، لہٰذا سات سال یا اس سے بڑے نابالغ بچے کو والدین اسی وقت روزہ چھڑوا سکتے ہیں جب کہ روزہ کی وجہ سے اسے ضرر کا اندیشہ ہو ورنہ بلا عذرِ شرعی چھڑائیں گے یا اس کے چھوڑنے پر خاموش رہیں گے تو واجب ترک کرنے کی بنا پر گنہگار ہوں گے۔

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:6

کیا حاملہ عورت کو روزہ معاف ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کا کہنا ہے کہ حاملہ عورت پر روزہ رکھنا ضروری نہیں، اسے روزہ معاف ہے، کیا یہی حکمِ شرع ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس شخص کا مطلق اس طرح کہنا درست نہیں، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ کے لیے اس وقت روزہ چھوڑنا، جائز ہے جب اپنی یا بچے کی جان کے ضیاع کا صحیح اندیشہ ہو، اس صورت میں بھی اس کے لیے فقط اتنا جائز ہوگا کہ فی الوقت روزہ نہ رکھے، بعد میں اس کی قضا کرنا ہوگی، البتہ اس پر کفارہ نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ فدیہ دے گی، فقط روزے کی قضا کرے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: "الحامل والمرضع إذا خافتا علی أنفسهما أو ولدهما أفطرتا وقضتا، ولا كفارة عليهما كذا في الخلاصة" ترجمہ: حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو جب اپنی یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہیں اور اس کی قضا کریں گی، ان دونوں پر اس کا کفارہ نہیں۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد1، صفحہ 207، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "والحامل والمرضع إذا خافتا علی ولديهما أو نفسيهما أفطرتا وقضتا لا غير، قياسا علی المريض، والجامع دفع الحرج والضرر" ترجمہ: حاملہ اور مرضعہ کو اپنے بچے یا اپنی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ چھوڑیں گی اور اس کی صرف قضا ہی کریں گی، ان کو مریض پر قیاس کیا گیا ہے اور دونوں میں وجہِ قیاس حرج اور ضرر کا دور کرنا ہے۔" (الاختیار لتعلیل المختار، ج1، ص144، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبد الغنی میدانی حنفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:" والحامل والمرضع إذا خافتا على ولديهما أفطرتا وقضتا ولا فدية عليهما" ترجمہ: حاملہ اور مرضعہ کو جب بچے کی جان کا خوف ہو تو روزہ چھوڑ دیں گی اور اس کی قضا کریں گی ان پر اس کا فدیہ نہیں ہے۔

(اللباب فی شرح الکتاب، ج2، ص83، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی کے حوالے سے حدیث نقل کرتے ہیں، حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ " حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی نے مسافر سے آدھی نماز معاف فرمادی (یعنی چار رکعت والی دو پڑھے گا) اور مسافر اور دودھ پلانے والی اور حاملہ سے روزہ معاف فرمادیا (کہ ان کو اجازت ہے کہ اُس وقت نہ رکھیں بعد میں وہ مقدار پوری کرلیں)۔"

(بہار شریعت، حصہ5، صفحہ1002 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مذکورہ حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:" یعنی ان تینوں شخصوں سے روزہ کا فوری وجوب معاف ہو چکا ہے، اگر چاہیں تو قضا کر دیں، خیال رہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزے کی قضا ہی واجب ہے، وہ فدیہ نہیں دے سکتیں، یہ ہی ہم احناف کا مذہب ہے یہ دونوں اس حکم میں مسافر کی طرح ہیں، نیز ان دونوں عورتوں کو قضاء کی اجازت جب ہے جبکہ انہیں روزہ سے اپنے بچہ پر خوف ہو۔"

(مراۃ المناجیح، ج3، ص186، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

تنبیہ: بلا علم مسائل شرعیہ بیان کرنا شرعا جائز نہیں ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے اور جن کو یہ غلط مسئلہ بیان کیا ہے ان کے سامنے اپنی غلطی کو بیان کرے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ	الجواب صحیح
ابو حمزہ محمد حسان عطاری	مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:7

دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے لیے روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک خاتون بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس سے کافی پریشانی ہو رہی ہے، کمزوری بہت ہے، تو یوں خطرہ ہے کہ کہیں بیمار نہ ہو جائے، تو کیا اس صورت میں اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہو گی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

دودھ پلانے والی عورت، اسی طرح حاملہ خاتون کو اگر روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی جان کو نقصان پہنچنے یا بیمار ہو جانے یا ناقابلِ برداشت مشقت میں پڑ جانے کا صحیح اندیشہ ہے، تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ظنِ غالب تین طرح سے حاصل ہو سکتا ہے: اس کی کوئی واضح علامت ہو یا سابقہ ذاتی تجربہ ہو یا کوئی ایسا مسلمان ڈاکٹر جو اعلانیہ گناہ نہ کرتا ہو اور اپنے شعبے میں مہارت رکھتا ہو، بتائے۔ یاد رہے کہ بیماری یا ہلاکت وغیرہ کا محض خیال کافی نہیں، بلکہ مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقے کے مطابق ظنِ غالب حاصل ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا پوچھی گئی صورت میں اگر واقعی دودھ پلانے سے ایسی کیفیت ہو جاتی ہے اور اوپر مذکور تین چیزوں میں کوئی چیز پائی جاتی ہے، تو پھر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إن اللہ تعالى وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاۃ وعن الحامل أو المرضع الصوم" ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزے اور نماز کے ایک حصے کو اٹھا دیا ہے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی سے بھی روزے اٹھا دیے ہیں۔

(سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الرخصۃ الخ، جلد3، صفحہ50، دار ابن کثیر، بیروت)

ملتقی الابحر میں ہے:"حامل او مرضع خافت علی نفسھا او ولدھا تفطر و تقضی"
ترجمہ: حاملہ یا دودھ پلانے والی کو اپنی یا بچے کی جان کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے اور (بعد میں) قضا کرے۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانھر، کتاب الصوم، جلد1، صفحہ369، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلی حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں:" حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچّے کے ضرر کا اندیشہ غلبہ ظن کے ساتھ ہو نہ کہ مطلقاً۔" (فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ597، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ حاملہ، دودھ پلانے والی اور مریض کے روزہ چھوڑنے کی صورت کو بیان کرکے لکھتے ہیں:"ان صورتوں میں غالب گمان کی قید ہے، محض وہم ناکافی ہے۔ غالب گمان کی تین صورتیں ہیں:

(1) اس کی ظاہر نشانی پائی جاتی ہے یا

(2) اس شخص کا ذاتی تجربہ ہے یا

(3) کسی مسلمان طبیب حاذق مستور یعنی غیر فاسق نے اُس کی خبر دی ہو۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ1003، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

فتوی:8

حیض اور روزے سے متعلق ایک مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ 2 رمضان کو عورت کو عادت کے مطابق حیض آیا اور عادت کے مطابق 7 رمضان کو ختم بھی ہو گیا، پھر دوبارہ 14 رمضان

کو خون آ گیا تو کیا یہ حیض شمار ہو گا؟ اور اس سے روزہ ٹوٹ گیا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

دو حیضوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن فاصلہ ضروری ہوتا ہے، پندرہ دن سے پہلے آنے والا خون حیض نہیں بلکہ استحاضہ یعنی بیماری کا خون ہوتا ہے، لہذا چودہ رمضان کو جو خون آیا وہ حیض نہیں، بلکہ استحاضہ ہے اور استحاضہ چونکہ نماز و روزہ کے منافی نہیں ہوتا، لہذا عورت کا روزہ بھی نہ ٹوٹا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: "(وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوماً) ولياليها اجماعا" ترجمہ: دو حیضوں یا حیض و نفاس کے درمیان کم سے کم فاصلہ بالاتفاق پندرہ دن رات ہے۔ (تنویر الابصار و در مختار مع رد المحتار، ج1، ص524، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "دو حیضوں کے درمیان کم سے کم پورے پندرہ دن کا فاصلہ ضرور ہے۔ یوہیں نفاس و حیض کے درمیان بھی پندرہ دن کا فاصلہ ضروری ہے تو اگر نفاس ختم ہونے کے بعد پندرہ دن پورے نہ ہوئے تھے کہ خون آیا تو یہ استحاضہ ہے۔"

(بہار شریعت، ج1، ص373، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، کراچی)

استحاضہ کا حکم بیان کرتے ہوئے عالمگیری میں ہے: " دم الاستحاضة لا يمنع الصلاة ولا الصوم ولا الوطئ" ترجمہ: استحاضہ کا خون نماز، روزہ اور وطی کو منع نہیں کرتا۔

(عالمگیری، ج1، ص39، مطبوعہ کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــه
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:9

حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ رمضان میں اگر عورت کو دورانِ روزہ حیض آجائے تو اس کے لیے روزے کا کیا حکم ہے ؟ اسے پورا کرے یا توڑ دے اور ایسی صورت میں وہ کھا پی سکتی ہے یا نہیں ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

عورت کو اگر روزے کی حالت میں حیض آگیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور رمضان کے بعد اس روزے کی قضا کرنا ہو گی اور اس کے لیے بقیہ دن روزہ دار کی طرح رہنا واجب نہیں ہے اور وہ کھا پی سکتی ہے، اسے اختیار ہے کہ چُھپ کر کھائے یا کھلے عام، مگر بہتر یہ ہے کہ چُھپ کر کھائے۔

و اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد عرفان مدنی عطاری

الجواب صحیح
مفتی محمد ھاشم خان عطاری

سحری وافطاری

فتوی:10

اذان کے دوران سحری کرنے سے متعلق ایک حدیث پاک کی شرح

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ روزہ دار سحری کے وقت کھانا کھا رہا ہو کہ اس دوران سحری کا وقت ختم ہو جائے، صبح صادق طلوع کر آئے اور فجر کی اذان شروع ہو جائے، تو اب روزہ دار کا کھانا جاری رکھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ سنن ابو داؤد شریف کی درج ذیل روایت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ سحری کا وقت ختم ہو جانے کے باوجود فجر کی اذان کے وقت کھانا درست ہے۔ روایت یہ ہے: ”عن أبي هريرة قال: قال رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم: ”إذا سمع أحدكم النداء والإناء على يده فلا يضعه حتى يقضي حاجته منه“ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نداء سُنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو، تو جب تک اس سے اپنی حاجت نہ پوری کرے، اسے نہ رکھے۔

(سنن ابی داؤد، باب فی الرجل یسمع النداء والاناء علی یدہ، جلد02، صفحہ304، مطبوعہ بیروت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بحکم قرآن سحری کرنے کی اجازت اس وقت تک ہے جب تک فجر یعنی صبح صادق طلوع نہ کرے، جب فجر یعنی صبح صادق طلوع کر آئے، اس کے بعد روزہ دار کے لیے کھانا، پینا حرام ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: ”اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) پھر رات آنے تک

روزے پورے کرو۔ (پارہ2،سورۃ البقرۃ،آیت187)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت محمد بن جریر طبری (متوفی:310ھ) تفسیر طبری میں تحریر فرماتے ہیں:"عن ابن عباس ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ يعني الليل من النهارفأحل لكم المجامعة والأكل والشرب حتى يتبين لكم الصبح، فإذا تبين الصبح حرم عليهم المجامعة والأكل والشرب حتى يتموا الصيام إلى الليل" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت مبارکہ "اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے" کی تفسیر میں مروی ہے کہ سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے جدا ہو جائے ،اس سے مراد ہے کہ رات دن سے جدا ہو جائے۔ پس تمہارے لیے ہمبستری کرنا اور کھانا پینا اس وقت تک حلال ہے جب تک تمہارے لیے صبح نہ ظاہر ہو جائے۔ پس جب صبح ظاہر ہو جائے، تو روزہ داروں پر ہمبستری کرنا اور کھانا پینا حرام ہے، یہاں تک کہ وہ روزوں کو رات تک پورا کریں۔

(تفسیر طبری، جلد2، صفحہ150، مطبوعہ کابل، افغانستان)

اسی طرح صحیح احادیث مبارکہ میں بھی اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ سحری اُس وقت تک کرنی ہے، جب تک صبح صادق نہ ہو جائے۔ پس جب صبح صادق ہو جائے ، تو اب سحری کرنا ختم کر دیا جائے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:" عن سمرة بن جندب ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"لا يغرنكم من سحوركم أذان بلال، ولا بياض الأفق المستطيل هكذا، حتى يستطير هكذا" وحكاه حماد بيديه، قال: يعني معترضا" ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں تمہاری سحری سے دھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اور نہ افق کی اس طرح کی

لمبی سفیدی یہاں تک کہ اس طرح پھیل جائے اور حماد نے اس کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ بیان کیا، یعنی چوڑائی کا اشارہ کیا۔

(الصحیح لمسلم، باب بیان ان الدخول فی الصوم۔۔۔، جلد1، صفحہ350، مطبوعہ کراچی)

صحیح مسلم میں اس سے اگلی روایت یوں ہے: "عن سوادة قال: سمعت سمرة بن جندب وهو يخطب يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: لا يغرنكم نداء بلال ولا هذا البياض حتى يبدو الفجر أو قال حتى ينفجر الفجر" ترجمہ: حضرت سوادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا میں نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث بیان کرتے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ یہ سفیدی یہاں تک کہ فجر ظاہر ہو جائے یا فرمایا: یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑے۔

(الصحیح لمسلم، باب بیان ان الدخول فی الصوم۔۔۔، جلد1، صفحہ350، مطبوعہ کراچی)

پس آیت مبارکہ اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سحری کرنے کا وقت طلوع صبح صادق تک ہے۔ جب صبح صادق طلوع کر آئے، تو اب روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہے۔

اب رہی وہ روایت جو سنن ابی داؤد کے حوالے سے سوال میں مذکور ہے، تو اس کی توجیہات میں محدثین نے درج ذیل کلام فرمایا ہے۔

سنن ابی داؤد کی روایت میں جو لفظ "نداء" مذکور ہے اس کا مطلب ہے نماز کے لیے بلانا۔

(1) اب اس بلانے سے مغرب کی نماز کی اقامت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جب کسی کا روزہ ہو اور مغرب کی نماز کی اقامت اس حال میں ہو کہ اس کے سامنے کھانا ہو، تو اپنی حاجت پوری کر لے۔

اس معنی کی تائید صحیح ابن حبان میں ہے: "عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلاة وأحدكم صائم فليبدأ بالعشاء قبل صلاة المغرب

ولا تعجلوا عن عشائکم " ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب نماز قائم کی جائے اور تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہیے مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھا لے اور اپنے رات کے کھانے سے جلدی نہ کرو۔ (صحیح ابن حبان، باب فرض الجماعۃ، جلد 03، صفحہ 200، حدیث نمبر 2066، دار الفکر، بیروت)

اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جس دن روزہ ہوتا اور رات کا کھانا آجاتا، تو آپ پہلے کھانا کھاتے پھر نماز ادا فرماتے چنانچہ صحیح ابن حبان میں ہے: " كان ابن عمر إذا غربت الشمس وتبين له الليل، فكان أحيانا يقدم عشاءه وهو صائم والمؤذن يؤذن، ثم يقيم وهو يسمع فلا يترك عشاءه ولا يعجل حتى يقضي عشاءه، ثم يخرج فيصلي، ويقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تعجلوا عن عشائكم إذا قدم إليكم "ترجمہ: جب سورج غروب ہوتا اور رات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے واضح ہو جاتی، تو بعض اوقات آپ کے سامنے رات کا کھانا لایا جاتا اور آپ روزے سے ہوتے اور موذن اذان کہتا، پھر اقامت کہتا اور آپ سن رہے ہوتے، تو اپنا رات کا کھانا ترک نہ فرماتے اور جلدی نہ کرتے جب تک رات کا کھانا مکمل نہ کر لیتے، پھر باہر تشریف لے جا کر نماز ادا فرماتے اور فرماتے: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے سامنے رات کا کھانا لایا جائے تو اس سے جلدی نہ کرو۔

(صحیح ابن حبان، باب فرض الجماعۃ، جلد 3، صفحہ 200، حدیث نمبر 2065، دار الفکر، بیروت)

(2) اس بلانے سے اذان بھی مراد ہو سکتی ہے اور اگر اذان مراد ہو، تو پھر اس میں احتمال ہے کہ یا تو مغرب کی اذان مراد ہے کہ اگر برتن ہاتھ میں لیا ہوا تھا کہ اذان ہو گئی، تو اب برتن رکھنے سے پہلے افطار کر لو، تاخیر نہ کرو۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے: " وقال ابن حجر تبعا للطيبي إيماء ويصح أن يراد من الحديث طلب تعجيل الفطر، أي إذا سمع أحدكم نداء المغرب وصادف

ذلک أن الإناء في یده لحالة أخری فلیبادر بالفطر منه ولا یؤخر إلی وضعه "ترجمہ: اورابن حجرنے امام طیبی کی اتباع میں اشارۃً فرمایا کہ اس حدیث سے افطار میں تعجیل کی طلب مراد لینا بھی صحیح ہو سکتا ہے یعنی مطلب یہ ہو گا کہ جب تم میں سے کوئی مغرب کی اذان سنے اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں کسی دوسرے مقصد کے لیے برتن ہو تو اس سے افطار کرنے میں جلدی کرے اوراس کے رکھنے تک افطار کو موخر نہ کرے۔

(مرقاۃالمفاتیح شرح مشکاۃالمصابیح، باب فی مسائل متفرقۃ، جلد4، صفحہ422، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح فیض القدیر میں علامہ مناوی علیہ الرحمۃ اس کا ایک احتمال یہی بیان فرماتے ہیں۔ عبارت یہ ہے:"وقیل المراد أذان المغرب فإذا سمعه الصائم والإناء في یده فلا یضعه بل یفطر فورا محافظة علی تعجیل الفطر "ترجمہ: اوریہ بھی توجیہ کی گئی ہے کہ یہاں مراد مغرب کی اذان ہے کہ جب روزہ دار مغرب کی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو برتن نہ رکھے، بلکہ فوراً افطار کرلے، جلدی افطاری پر محافظت کرتے ہوئے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، جلد1، صفحہ377، حدیث نمبر686، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(3) یا اس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان مراد ہو گی، جو صبح صادق ہونے سے پہلے رات میں اذان دیتے تھے۔ تو اب مطلب ہو گا کہ بلال کی اذان ہو اور تم سحری کھا رہے ہو، تو سحری کھانا بند نہ کرو، بلکہ کھاتے رہو، جب تک عبد اللہ ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔ پس اب بھی اگر کہیں کوئی صبح صادق سے پہلے اذان دیتا ہے اور سحری کرنے والے کو معلوم ہے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی، تو وہ کھانا پینا جاری رکھ سکتا ہے، جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو جائے۔ اس معنی کی تائید میں بخاری شریف کی یہ روایت ہے:"عن عبد اللہ بن عمر: أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: إن بلالا ینادي بلیل، فکلوا واشربوا حتی ینادي ابن أم مکتوم" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک بلال رات میں اذان دیتے ہیں، تو تم کھاؤاور پیو جب تک ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان بعد الفجر، جلد1، صفحہ87، مطبوعہ کراچی)

اسی معنی کی تائید و وضاحت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتوی بھی ہے۔ چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے:" سئل ابن عباس عن الرجل يسمع الأذان، وعليه ليل قال: فليأكل " ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اذان سنتا ہے، حالانکہ ابھی رات باقی ہے، تو جواب میں فرمایا: اسے کھانا کھاتے رہنا چاہیے۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الطعام والشراب، جلد4، صفحہ173، حدیث نمبر7370، مطبوعہ کراچی)

علامہ خطابی (متوفی:388ھ) سنن ابی داؤد کی شرح معالم السنن میں سنن ابی داؤد کی سوال میں مذکور روایت ذکر کرنے کے بعد اسی توجیہ کو اپنے ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:" قلت هذا على قوله إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم " ترجمہ: میں کہتا ہوں: یہ روایت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق ہے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں تو تم اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔

(معالم السنن، کتاب الصیام، جلد2، صفحہ106، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

مرقاۃ میں اسی روایت کی توجیہ میں یہ لکھا ہے:" وهذا إذا علم أو ظن عدم الطلوع وقال ابن الملك: هذا إذا لم يعلم طلوع الصبح، أما إذا علم أنه قد طلع أو شك فيه فلا " ترجمہ: اور یہ اس صورت میں ہے، جبکہ سحری کرنے والے کو معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ ابھی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی اور ابن ملک نے فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جبکہ اسے صبح صادق کے طلوع کا علم نہ ہو، بہر حال جب اسے طلوع کا علم ہو جائے یا اس میں شک ہو تو اس صورت میں کھانا جاری رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، باب فی مسائل متفرقۃ، جلد4، صفحہ421، مطبوعہ کوئٹہ)

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں علامہ مناوی (متوفی: 1031ھ) علیہ الرحمۃ نے بھی مرقاۃ کی مثل تاویل فرمائی ہے اور علامہ رافعی سے علامہ خطابی کی مثل روایت کیا ہے کہ اس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رات والی اذان مراد ہے۔ چنانچہ عبارت یہ ہے: "(إذا سمع أحد كم النداء) أي الأذان للصبح وهو يريد الصوم (والإناء) مبتدأ (على يده) خبره (فلا يضعه) نهي أو نفي بمعناه (حتى يقضي حاجته) بأن يشرب منه كفايته ما لم يتحقق طلوع الفجر أو يظنه ظنا يقرب منه وما ذكر من أن المراد به أذان الصبح هو ما جزم به الرافعي فقال: أراد أذان بلال الأول بدليل إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم۔"

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، جلد1، صفحہ 377، حدیث نمبر 686، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ
مفتی محمد ہاشم خان عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد عرفان مدنی عطاری

فتوی: 11

سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد غلطی سے کھانا کھالیا تو حکم؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی رمضان میں لیٹ آنکھ کھلی۔ وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی سحری کا ٹائم باقی ہے، کھانا کھاتا رہا بعد میں پتا چلا کہ سحری کا ٹائم تو ختم ہو چکا تھا، پھر بھی اس شخص نے روزہ رکھ لیا، تو اس شخص کا روزہ ہوا یا نہیں؟ اگر ایسا ہو چکا ہو، تو اب کیا حکم ہے؟ کیا گناہ و کفارہ ہے؟ برائے مہربانی رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ہدایۃ الحق و الصواب

صورتِ مسئولہ میں اس کا روزہ نہیں ہوا۔ اس پر اس دن کے روزے کی قضا رکھنا فرض ہے۔

یعنی اس روزے کے بدلے میں ایک روزہ رکھنا پڑے گا، لیکن کوئی کفّارہ نہیں اور چونکہ خطاءً ایسا ہوا ہے، اس لیے گناہ بھی نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ایسی صورت میں اگرچہ روزہ نہیں ہوتا، لیکن بقیہ سارا دن روزہ دار کی طرح رہنا واجب ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس طرح کی صورت کسی کو پیش آئی ہو اور اس نے سارا دن روزہ دار کی طرح نہ گزارا، تو وہ ضرور گنہگار ہو گا۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــه

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:12

روزہ افطار کرنے کی دعا کب پڑھیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ افطار کی دعائے ماثورہ (اللھم لک صمت وبک امنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطر) کس وقت پڑھنی چاہیے؟ افطاری کرنے سے پہلے یا افطاری کرنے کے بعد؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

احادیث طیبہ سے یہ بات واضح ہے کہ افطار کی دعا افطار کرنے کے بعد پڑھنا سنت ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالی علیہ حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: " أنه بلغه أن النبی صلی اللہ تعالی علیه وآله وسلم کان إذا أفطر قال: اللھم لک صمت وعلی رزقک أفطرت "یعنی ان کو خبر پہنچی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جب افطار کرلیتے تو یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ (سنن أبی داؤد، جلد4، صفحہ40، حدیث 2358، مطبوعہ بیروت)

امام محمد بن عبد اللطیف المعروف ابن الملک اور امام حسین بن محمود المظہری رحمہما اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”یقرأ ھذا الدعاء بعد الإفطار“ یعنی یہ دعا افطار کرنے کے بعد پڑھی جائے گی۔ (شرح المصابیح لابن الملک، جلد2، صفحہ519)

(المفاتیح فی شرح المصابیح للمظھری، جلد3، صفحہ24، طبع دار النوادر، قطر)

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں: ” (کان إذا أفطر قال) أی دعا، وقال ابن الملک :أی قرأ بعد الإفطار “ترجمہ: (جب افطار کرتے تو کہتے) یعنی دعا کرتے، علامہ ابن الملک نے کہا: یعنی افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد4، صفحہ1387، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”مقتضائے سنّت یہی ہے کہ بعد غروب جو خرمے یا پانی وغیرہ از قبل نماز افطار معجل کرتے ہیں اُس میں اور علم بغروب شمس میں اصلا فصل نہ چاہئے یہ دعائیں اس کے بعد ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد10، صفحہ642، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــہ
ابو حمزہ محمد حسان عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

روزہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

فتویٰ:13

حالتِ روزہ میں غلطی سے پانی حلق میں اُتر گیا، تو روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر وضو کرتے ہوئے غلطی سے پانی حلق میں اتر جائے، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

روزہ یاد ہونے کی صورت میں کلی کرتے ہوئے اگر غلطی سے پانی حلق سے نیچے اتر جائے، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی قضا بھی لازم ہوگی اور اگر کسی کو روزہ یاد ہی نہ ہو، تو پھر نہیں ٹوٹے گا۔

چنانچہ مبسوط میں ہے: ”واذا تمضمض الصائم فسبقه الماء فدخل حلقه فان لم یکن ذاکرالصومه فصومه تام وان کان ذاکرالصومه فعلیه القضاء“ جب روزے دار نے کلی کی اور پانی چڑھ کر حلق میں داخل ہو گیا تو اگر اسے اپنا روزہ یاد نہ ہو تو روزہ صحیح ہے اور اگر روزہ یاد ہے تو اس پر قضا لازم ہے۔“ (المبسوط، کتاب الصوم، جلد3، صفحہ71، مطبوعہ کوئٹہ)

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: ”(وان افطر خطأ) کان تمضمض فسبقه الماء“ اگر غلطی سے روزہ توڑا جیسا کہ کلی کی اور پانی بڑھ کر حلق میں چلا گیا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: ”ای یفسد صومه ان کان ذاکراله والا فلا“ یعنی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جبکہ روزہ یاد ہو ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔“

(ردالمحتار مع درمختار، جلد3، صفحہ374، مطبوعہ ملتان)

فتاوی عالمگیری میں ہے:"وان تمضمض او استنشق فدخل الماء جوفه ان کان ذاکرالصومه فسد صومه وعلیه القضاء وان لم یکن ذاکرالایفسد صومه کذافی الخلاصة وعلیه الاعتماد"یعنی اگر کسی شخص نے کلی کی یاناک میں پانی چڑھایااور بلاقصد پانی حلق سے اتر گیاتواگر روزہ دار ہونایاد ہے توروزہ جاتارہااوراس پر قضاہے اوراگر روزہ ہونابھول گیاہوتونہ ٹوٹے گا،ایسے ہی خلاصہ میں ہے اوراسی پر اعتماد ہے۔"

(عالمگیری، جلد1، صفحہ202، مطبوعہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی محمدامجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:"کلی کر رہا تھا بلا قصد پانی حلق سے اتر گیایاناک میں پانی چڑھایااور دماغ کو چڑھ گیاروزہ جاتارہا مگر جب کہ روزہ ہونا بھول گیاہوتونہ ٹوٹے گااگرچہ قصداً ہو۔"

(بہارشریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ987، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

فتوی:14

روزے کی حالت میں وضو وغسل کے دوران ناک میں پانی چڑھانے کا حکم

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر روزے کی حالت میں احتلام کی وجہ سے غسل فرض ہو جائےاور غسل کرنا ہو، تو دورانِ غسل ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچاناضروری ہے یانہیں؟اسی طرح وضومیں ناک میں پانی چڑھانے کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کلی کرنا(اچھی طرح منہ کا اندرونی حصہ دھونا)اور ناک کے دونوں نتھنوں میں تمام نرم حصے کو

دھونا(نرم حصہ ناک کی سخت ہڈی شروع ہونے سے پہلے تک ہے) غسل کے دو اہم ترین فرائض ہیں ، جبکہ وضو میں یہ دونوں عمل سنت موکدہ ہیں۔اتنی بات میں روزہ دار و غیر روزہ دار کا کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ روزہ نہ ہو تو وضو اور غسل میں مذکورہ دونوں افعال ادا کرتے وقت ان میں مبالغہ کرنا، جداگانہ ایک مسنون و مستحب عمل ہے۔**کلی میں مبالغے** سے مراد یہ ہے کہ کلی کرنے کے دوران غرغرہ بھی کیا جائے۔یعنی حلق کی جڑ تک پانی پہنچا کر اسے خوب ہلایا جائے اور **ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغے** سے مراد یہ ہے کہ پانی کو سانس کے ذریعے کھینچ کر ناک کے نرم حصے سے آگے ناک کی جڑ تک پہنچایا جائے۔

جبکہ روزہ دار کے لیے وضو و غسل کے دوران کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے وقت مذکورہ بالا طریقے کے مطابق مبالغہ کرنا مکروہ ہے کہ حدیث مبارک میں مبالغہ کرنے کے حکم میں روزے دار کا استثناء کیا گیا ہے۔نیز ان میں ذرا سی بے احتیاطی ہونے سے روزہ ٹوٹ سکتا ہے۔یعنی روزہ دار کلی کرتے وقت غرغرہ نہ کرے کہ ممکن ہے حلق سے پانی نیچے اتر جائے۔اگر ایسا ہوا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔اسی طرح پانی کو سونگھ کر ناک کی جڑ تک نہ پہنچائے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے دماغ تک پانی پہنچ گیا، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:"(وفرض الغسل، غسل) کل (فمه)۔۔۔(وانفه) حتی ما تحت الدرن (و) باقی (بدنه) "(ملتقطاً) یعنی غسل کے فرائض یہ ہیں کہ پورا منہ اندر سے دھویا جائے اور ناک کو یہاں تک کہ اس میں جمی ہوئی رینٹھ کے نیچے تک حصے کو دھویا جائے اور باقی سب بدن کو دھویا جائے۔ (درمختار معہ ردالمحتار، جلد2، صفحہ312، مطبوعہ کوئٹہ)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:"(و) یسن (المبالغة فی المضمضة) وھو ایصال الماء لراس الحلق (و) المبالغة فی (الاستنشاق) وھی ایصاله الی فوق المارن

(لغیر الصائم)والصائم لا یبالغ فیھما خشیة افساد الصوم۔لقوله علیه الصلاۃ والسلام" بالغ فی المضمضة والاستنشاق الا ان تکون صائما "یعنی کلی کرنے میں مبالغہ یعنی حلق کی جڑ تک پانی پہنچانا اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ یعنی ناک کے نرم گوشے سے اوپر تک پانی پہنچانا اس شخص کے لئے سنت ہے جو روزے سے نہ ہو جبکہ روزہ دار ان دونوں چیزوں میں روزہ ٹوٹنے کے خطرے کے پیشِ نظر مبالغہ نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرو مگر یہ کہ روزے سے ہو (تو مبالغہ نہ کرو)۔

اس کے تحت علامہ سید احمد طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"قوله (والمبالغة) فیھما ھی سنة فی الطھارتین علی المعتمد "یعنی کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا معتمد قول کے مطابق وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے۔

(مراقی الفلاح معہ حاشیۃ الطحطاوی، صفحہ 70، مطبوعہ بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:" **ناک کے دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک دُھلنا (غسل میں فرض ہے)۔۔۔اور یہ یونہی ہوسکے گا کہ پانی لے کر سونگھے اور اوپر کو چڑھائے کہ وہاں تک پہنچ جائے۔** لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے اوپر ہی اوپر پانی ڈالتے ہیں کہ ناک کے سرے کو چھو کر گر جاتا ہے، بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے اس سب کو دھونا تو بڑی بات ہے۔ **ظاہر ہے کہ پانی کا بالطبع میل نیچے کو ہے اوپر بے چڑھائے ہر گز نہ چڑھے گا۔ افسوس کہ عوام تو عوام، بعض پڑھے لکھے بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ کاش! استنشاق کے لغوی ہی معنے پر نظر کرتے تو اس آفت میں نہ پڑتے۔ استنشاق، سانس کے ذریعے کوئی چیز ناک کے اندر چڑھانا ہے نہ کہ ناک کے کنارہ کو چھو جانا۔ وضو میں تو خیر اس کے ترک کی عادت ڈالنے سے سنت چھوڑنے ہی کا گناہ ہو گا کہ مضمضہ واستنشاق بمعنی مذکور**

دونوں وضو میں سنت موکدہ ہیں۔۔۔۔اور سنت موکدہ کے ایک آدھ بار ترک سے اگرچہ گناہ نہ ہو عتاب ہی کا استحقاق ہو مگر بارہا ترک سے بلاشبہ گنہگار ہوتا ہے۔۔۔۔ تاہم وضو ہو جاتا ہے اور غسل تو ہرگز اترے ہی گا نہیں جب تک سارا مُنہ حلق کی حد تک اور سارا نرم بانسا سخت ہڈی کے کنارہ تک پورا نہ دُھل جائے۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ناک کے اندر کثافت جمی ہو تو لازم کہ پہلے اسے صاف کرلے ورنہ اس کے نیچے پانی نے عبور نہ کیا تو غسل نہ ہوگا۔۔۔۔اس احتیاط سے بھی روزہ دار کو مفر نہیں۔ ہاں اس سے اوپر تک اسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی دماغ کو نہ چڑھ جائے، غیر روزہ دار کے لیے یہ بھی سنت ہے۔ درمختار میں ہے: "سننه المبالغة بمجاوزة المارن لغير الصائم "(یعنی غسل کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ غیر روزہ دار ناک کے نرم حصے سے اوپر تک پانی پہنچانے میں مبالغہ کرے۔ مترجم)۔" (ملتقطاً)

نیز فوائد مسئلہ بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "منہ کے ہر ذرہ پر حلق تک پانی بہنا اور دونوں نتھنوں میں ناک کی ہڈی شروع ہونے تک پانی چڑھنا غسل میں فرض اور وضو میں سنت موکدہ ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 1 حصہ 2، صفحہ 595، 596، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا پوچھی گئی صورت میں روزے کی حالت میں فرض غسل ادا کرتے وقت غسل کے تینوں فرائض ادا کیے جائیں گے۔ یعنی پورے جسم پر اچھی طرح پانی بہانے اور کلی کرنے کے ساتھ ساتھ ناک کے اندورنی تمام نرم حصے تک پانی پہنچانا بھی فرض رہے گا۔ اگر ایسا نہ کیا تو جنابت دور نہیں ہوگی اور ایسے شخص کا مسجد میں داخل ہونا یا نماز پڑھنا بھی ناجائز و گناہ ہے، بلکہ اس حالت میں پڑھی گئی تمام نمازوں کا از سرِ نو اعادہ کرنا بھی فرض ہوگا۔

تنبیہ: ماہ رمضان المبارک میں عموماً بعض لوگوں میں یہ مسئلہ یوں بھی گردش کرتا ہے کہ " روزے کی حالت میں فرض غسل کرتے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل غروبِ

آفتاب کے بعد کیا جائے گا، ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔" اور حالیہ کچھ دنوں قبل ایک مسجد کے امام صاحب سے متعلق سنا گیا کہ انہوں نے اپنے مقتدیوں میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ "**روزے کی حالت میں غسل فرض ہو جائے تو بغیر ناک کی نرم ہڈی تک پانی چڑھائے، غسل ہو جائے گا۔**" اور مقتدیوں کی جانب سے کئی بار وضاحت لینے کے بعد بھی وہ یہی کہتے رہے کہ "**روزہ دار کے لئے فرض غسل میں ناک میں پانی چڑھانا ضروری نہیں۔**" الامان والحفیظ۔

مذکورہ بالا دونوں باتیں دِینی درست تعلیم سے ناواقفیت وجہالت پر دلیل ہیں۔ ان غلط مسائل بیان کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام ان کے کہے کے مطابق فرض غسل ادا کریں گے اور نمازیں پڑھ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ روزے بھی محفوظ رہے اور نمازیں بھی ادا ہو گئیں، جبکہ فرض غسل ادا نہ ہونے کے باعث نمازیں اصلاً ہی ادا نہ ہوں گی، بلکہ ذمہ پر باقی رہیں گی۔

یاد رہے کہ اپنے حسب حال دینی ضروری مسائل واحکام کا سیکھنا ہر خاص وعام مسلمان پر فرض ہے۔ عام عوام کے مقابل مذہبی طبقے اور بالخصوص مساجد کے ائمہ کرام پر ان ضروری مسائل سے درست آگاہی کی ذمہ داری کا بوجھ مزید بڑھ جاتا ہے، کیونکہ عام مسلمان اپنے روز مرہ کے دینی وضروری مسائل کبھی کبھار مذہبی طبقے سے وابستہ افراد اور ائمہ مساجد سے بھی پوچھ لیتے اور ان کے بتائے ہوئے جواب کے مطابق عمل پیرا بھی ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے اگر اپنی اٹکل سے مسئلہ غلط بتایا جائے، تو اس کا وبال بہت سخت ہو گا کہ غلط مسئلے کے مطابق لوگ عمل کرتے رہے، تو اس پر جہاں وہ خود گناہگار ہوں گے، وہیں اپنی اٹکل سے غلط رہنمائی کرنے والے ائمہ مساجد بھی گناہگار ٹھہریں گے اور حدیث شریف میں اس فعل کی سختی کے ساتھ مذمت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف ابو داؤد کے حوالے سے مشکوۃ المصابیح میں ہے: " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : من أفتي بغير علم كان إثمه على من أفتاه " یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا

، تو اس کا گناہ اس پر ہے جس نے اس کو فتویٰ دیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح، صفحہ 35، مطبوعہ کراچی)

جامع الصغیر میں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے: ”من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض “یعنی جس نے بغیر علم کے فتوی دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ (جامع الصغیر معہ فیض القدیر جلد 6 صفحہ 101، بیروت)

اس لیے جو افراد اپنی نادانی اور شرعی احکامات سے ناواقفیت کی بنا پر اٹکل سے عوام کو یہ غلط مسائل بتاتے آرہے ہیں کہ

(1) روزہ کی حالت میں فرض غسل کرتے وقت کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل غروبِ آفتاب کے بعد کیا جائے، ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(2) روزہ دار کے لئے فرض غسل میں ناک میں پانی چڑھانا ضروری نہیں۔

ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ان غلط مسائل بیان کرنے سے توبہ کریں اور عوام کو درست مسئلے سے آگاہ کریں اور کسی مستند سنی صحیح العقیدہ عالم دین ومفتی صاحب سے علم دین حاصل کریں اور جب تک علم دین اچھی طرح حاصل نہ کرلیں شرعی مسائل ہرگز بیان نہ کریں۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الحسن جمیل احمد غوری عطاری

فتویٰ: 15

حالتِ روزہ میں آنسو کے ایک دو قطرے منہ میں چلے گئے، تو روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ روزے کے دوران اگر قطرہ دو قطرہ آنسو منہ میں چلے گئے اور نمکینی پورے منہ میں محسوس ہوئی تو فقط اس نمکینی کے محسوس ہونے سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا حلق سے نیچے اُترنے پر ٹوٹے گا؟ بہارِ شریعت کی عبارت سے

ایسا لگتا ہے کہ نمکینی پورے منہ میں محسوس ہونے سے ہی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

فقط آنسو کی نمکینی پورے منہ میں پھیل جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، بلکہ روزہ ٹوٹنے کا حکم پورے منہ میں محسوس ہونے والی اس نمکین رطوبت کے حلق سے نیچے اُترنے کی صورت میں ہے۔

کتبِ فقہ و فتاویٰ میں حلق سے نیچے اُترنے کی صورت ہی میں روزے کا ٹوٹنا بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "الدموع اذا دخلت فم الصائم ان کان قلیلا کالقطرۃ والقطرتین او نحوھا لا یفسد صومہ وان کان کثیرا حتی وجد ملوحتہ في جمیع فمہ، واجتمع شيء کثیر فابتلعہ یفسد صومہ، وکذا عرق الوجہ اذا دخل فم الصائم کذا في الخلاصۃ" یعنی آنسو روزہ دار کے منہ میں گئے اگر قلیل مقدار میں تھے مثلاً ایک دو قطرے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر کثیر مقدار میں تھے یہاں تک کہ پورے منہ میں اس کی نمکینی محسوس ہوئی اور کثیر لعاب جمع ہونے پر اس کو نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہی حکم پسینہ کے منہ میں داخل ہونے کا ہے۔ (فتاوی عالمگیری، جلد1، صفحہ203، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح خلاصہ کے حوالے سے درمختار میں مذکور ہے۔ علّامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامی اس مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "وفي الامداد عن خط المقدسي أن القطرۃ لقلتھا لا یجد طعمھا في الحلق لتلاشیھا قبل الوصول، ویشھد لذلک مافي الواقعات للصدر الشھید: إذا دخل الدمع في فم الصائم إن کان قلیلا نحو القطرۃ أو القطرتین لا یفسد صومہ لان التحرز عنہ غیر ممکن، وإن کان کثیرا حتی وجد ملوحتہ في جمیع فمہ وابتلعہ فسد صومہ، وکذا الجواب في عرق الوجہ اھ. ملخصا۔ یعنی ایک قطرہ کا ذائقہ اس کی قلت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا اور وہ حلق تک پہنچنے سے پہلے ہی کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس کی تائید صدر

الشہید کی کتاب" الواقعات" سے بھی ہو جاتی ہے کہ اس میں ہے کہ جب آنسو روزہ دار کے منہ میں داخل ہو جائے اگر وہ قلیل ہو یعنی ایک دو قطرے تو روزہ فاسد نہیں ہو گا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر زیادہ ہو حتی کہ اس کی نمکینی پورے منہ میں محسوس ہو اور وہ اس کو نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہی جواب چہرے کے پسینے کے بارے میں ہے۔

(درمختار معہ ردالمحتار، جلد3، صفحہ434، مطبوعہ کوئٹہ)

اور یہی مفہوم بہارِ شریعت کی عبارت سے بھی ظاہر ہے، جس کی تفصیل ووضاحت یہ ہے کہ بہارِ شریعت میں مسئلہ بیان کرتے ہوئے اولاً اس بات کو متعین کرلیا گیا کہ آنسو منہ میں جانے کے بعد حلق سے نیچے اتر گیا۔ جیسا کہ بہارِ شریعت میں اس مسئلے کی ابتداء میں مذکور ہے" آنسو مونھ میں چلا گیا اور نگل لیا" پھر آگے اس کی دو صورتیں بیان کی گئیں:

(1) قلیل آنسو، جسے قطرہ دو قطرے سے تعبیر کیا۔

(2) کثیر آنسو، جسے پورے منہ میں نمکینی محسوس ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پہلی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا جبکہ دوسری صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ بہارِ شریعت کا مکمل مسئلہ درج ذیل ہے:" آنسو مونھ میں چلا گیا اور نگل لیا، اگر قطرہ دو قطرہ ہے تو روزہ نہ گیا اور زیادہ تھا کہ اس کی نمکینی پورے مونھ میں محسوس ہوئی تو جاتا رہا۔ پسینہ کا بھی یہی حکم ہے۔"

(بہارِ شریعت، جلد1، صفحہ988، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

یعنی مذکورہ بالا مسئلے کی یہ عبارت" اور زیادہ تھا کہ اس کی نمکینی پورے مونھ میں محسوس ہوئی تو جاتا رہا" جداگانہ مستقل ایک نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ آنسو کے منہ میں جاکر حلق سے اترنے کی تفصیل کی دوسری شق وصورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہارِ شریعت میں مذکور مسئلہ کتبِ فقہ وفتاویٰ کے موافق ہی ہے، مخالف نہیں۔ اسے مخالف سمجھنا قاری کے عبارت میں غور وخوض نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الحسن جمیل احمد غوری عطاری

فتوی:16

حالت روزہ میں تھوک نگلنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بات کرتے وقت اگر ہونٹ پر تھوک آگیا اور وہ نگل لیا گیا تو کیا روزہ ٹوٹ گیا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

بات کرتے وقت یا اس کے علاوہ ہونٹ تھوک سے تر ہو گئے تو اس تھوک کو نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ایسے تھوک کو نگلنے میں احتیاط کی جائے۔
(ماخوذ از فتاوی عالمگیری، جلد 1، صفحہ 303، بہارِ شریعت، جلد 1، صفحہ 983)

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم
کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ
مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتوی:17

حالت روزہ میں کھٹی ڈکار آنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی کو سحری کا وقت ختم ہونے کے چند منٹ بعد کھٹی ڈکار آئے، جس کی وجہ سے حلق میں پانی محسوس ہو اور وہ حلق سے واپس چلا جائے تو کیا ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کھٹی ڈکار آنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ ڈکار آنے سے پانی حلق تک آجائے اور واپس بھی لوٹ جائے جیسا کہ روزے کی حالت میں منہ بھر سے کم قے آنے اور واپس چلی جانے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ماخوذ از ردالمحتار، جلد 3، صفحہ 450)

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 486)

(بہارِ شریعت، جلد 1، صفحہ 988)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ: 18

حالتِ روزہ میں جھاگ والی مسواک کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا روزہ میں جھاگ والی مسواک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

روزہ کی حالت میں ہر قسم کی مسواک کر سکتے ہیں، اس کے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بلکہ جس طرح عام دِنوں میں مسواک کرنا سنت ہے۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں بھی سنت ہے، البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر روزہ دار ہونا یاد ہو اور چبانے سے ریشے ٹوٹتے ہوں یا ذائقہ محسوس ہو، تو چبانے سے بچنا چاہیے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ولابأس بالسواک الرطب والیابس فی الغداۃ والعشی" یعنی روزہ کی حالت میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ مسواک خشک ہو یا تر اور خواہ صبح کی جائے یا شام کو۔ (فتاوی ھندیہ، کتاب الصوم، الباب الثالث، جلد 1، صفحہ 199، مطبوعہ بیروت)

یونہی صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”روزہ میں مسواک خشک ہو یا تر اگرچہ پانی سے تَر کی ہو زوال سے پہلے کرے یا بعد، کسی وقت مکروہ نہیں۔ اکثر لوگوں میں مشہور ہے کہ دوپہر (کے) بعد روزہ دار کے لیے مسواک کرنا مکروہ ہے، یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔“ (بہارِ شریعت، حصہ 5، جلد 1، صفحہ 997، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”مسواک کرنا سنت ہے ہر وقت کر سکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو، چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہئے۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 511، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

کتبــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو عبد اللہ محمد سعید عطاری

فتویٰ: 19

حالتِ روزہ میں ٹوتھ پیسٹ کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا روزہ میں جھاگ والی مسواک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کرنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

روزہ کی حالت میں ہر قسم کی مسواک کر سکتے ہیں۔ اس کے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بلکہ جس طرح عام دِنوں میں مسواک کرنا سنت ہے، اسی طرح روزہ کی حالت میں بھی سنت ہے، البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر روزہ دار ہونا یاد ہو اور چبانے سے ریشے ٹوٹتے ہوں یا ذائقہ محسوس ہو تو چبانے سے بچنا چاہئے۔

نیز روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کرنا اگرچہ ناجائز و حرام نہیں، مگر بلا ضرورتِ صحیحہ مکروہ ضرور ہے، چونکہ ٹوتھ پیسٹ میں زیادہ امکان ہے کہ کوئی جزو اندر چلا جائے اس لیے روزہ کی حالت میں اس سے ضرور احتراز کیا جائے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:20

حالتِ روزہ میں انجیکشن لگوانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ شوگر کے مریض انسولین کا انجیکشن استعمال کرتے ہیں، جو رگ کی بجائے گوشت میں لگایا جاتا ہے، تو شوگر والے روزے کی حالت میں انسولین کا انجیکشن لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

حالتِ روزہ میں انسولین کا انجیکشن لگانا، جائز ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ عمومی طور پر انجیکشن کی سوئی جوف یا دماغ تک نہیں پہنچائی جاتی اور جوف تک جانے کا کوئی عارضی راستہ بھی نہیں بنتا کہ جس کے ذریعے دوائی جوف تک پہنچ سکے، لہٰذا یہ انجیکشن روزہ ٹوٹنے کا سبب نہیں۔ مسامات کے ذریعے کسی چیز کا داخل ہونا ویسے ہی روزے کے منافی نہیں، جیسا کہ جسم پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ تیل اگرچہ جسم کے اندر جاتا ہے، لیکن مسامات کے ذریعے اور یہ روزے کے خلاف نہیں۔

فتاویٰ فیض الرسول میں ہے: ”تحقیق یہ ہے کہ انجیکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے رگ میں

لگایا جائے چاہے گوشت میں۔"

(فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 514، شبیر برادرز، لاھور)

و اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد ساجد عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ: 21

روزے کی حالت میں سینی ٹائزر گیٹ سے گزرنے سے روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل کرونا وائرس سے حفاظت کے لیے مختلف مقامات پر سینی ٹائزر گیٹ نصب کیے گئے ہیں۔ گزرنے والے روزے کی حالت میں اس میں سے گزرتے ہیں اور اس کے اجزاء حلق میں چلے جاتے ہیں، ان کا ذائقہ بھی حلق میں محسوس ہوتا ہے، شرعی رہنمائی فرمائیں کہ روزے کی حالت میں یہ جانتے ہوئے کہ میرا روزہ ہے، ایسے گیٹ میں سے کوئی گزرا اور اس کے ذرات اس کے حلق میں پہنچ گئے، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر روزے دار نے سینی ٹائزر گیٹ میں سے گزرتے ہوئے قصداً اس کے ذرات کو کھینچ کر حلق تک نہ پہنچایا، بلکہ خود بخود اس کے ذرات حلق تک پہنچے، تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ اسے روزہ دار ہونا یاد ہو، ہاں اگر کسی روزہ دار نے قصداً اس کے ذرات کو کھینچ کر حلق تک پہنچایا اور اس وقت اسے اپنا روزہ دار ہونا بھی یاد تھا، تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور اگر روزہ دار نے قصداً کھینچ کر حلق تک

اس کے ذرات پہنچائے لیکن کھینچتے وقت اسے اپنا روزہ دار ہونا یاد نہ تھا، تو اس صورت میں بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

تفصیل اس میں یہ ہے کہ بذریعہ سانس جو غبار اور دھواں وغیرہ حلق میں پہنچ جاتے ہیں، ان میں روزہ ٹوٹنے کا مدار ان چیزوں کو قصداً حلق میں لے کر جانے پر ہے، جس صورت میں یہ چیزیں اندر گئیں، اس خاص صورت کو اپنانے کی ضرورت تھی یا نہیں اور اس کے باعث اغلب طور پر یہ چیزیں چلی جاتی ہیں یا نہیں، ان چیزوں پر مدار نہیں ہے، پس اگر قصداً اندر لے کر جائے اور روزہ دار ہونا یاد بھی ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر قصداً اندر لے کر نہ جائے بلکہ یہ اشیاء خود بخود اندر چلی جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دخول یعنی خود بخود سانس کے ذریعے ان چیزوں کے اندر جانے سے بچنا ممکن نہیں، کیونکہ اگر روزہ دار اپنا منہ بند بھی کر لے تب بھی ناک کے ذریعے یہ چیزیں دماغ میں چلی جائیں گی، ہاں ادخال یعنی قصداً لے جانے سے بچنا ممکن ہے، تو ادخال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، پس بذریعہ سانس سینی ٹائزر کے اندر جانے کا بھی یہی حکم ہو گا۔

مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے: ”(وإن دخل في حلقه غبار أو دخان أو ذباب) وهو ذاكر لصومه (لا يفطر) والقياس أن يفطر لوصول المفطر إلى جوفه وإن كان لا يتغذى به وجه الاستحسان أنه لا يقدر على الامتناع عنه فإنه إذا أطبق الفم لا يستطاع الاحتراز عن الدخول من الأنف فصار كبلل تبقى في فيه بعد المضمضة وعلى هذا لو أدخل حلقه فسد صومه حتى إن من تبخر ببخور فاستشم دخانه فأدخله حلقه ذاكرا لصومه أفطر؛ لأنهم فرقوا بين الدخول والإدخال في مواضع عديدة لأن الإدخال عمله والتحرز ممكن ويؤيده قول صاحب النهاية إذا دخل الذباب جوفه لا يفسد صومه لانه لم يوجد ماهو ضد الصوم وهو ادخال الشیء من الخارج الی الباطن“ ترجمہ: اور اگر روزہ دار کے حلق میں غبار یا دھواں یا مکھی چلی گئی اور اسے اپنا روزہ دار ہونا یاد تھا تو اس کا روزہ نہیں

ٹوٹے گا اور قیاس یہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے کہ روزہ افطار کرنے والی چیز اس کے جوف تک پہنچ چکی اگرچہ اس کو غذا کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے بچنے پر قادر نہیں ہے کیونکہ جب منہ بند کرے گا تو ناک کے ذریعے اندر جانے سے روکنے پر قدرت نہیں ہوگی، تو یہ اس تری کی طرح ہو گیا جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے اور اسی بناء پر اگر حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، یہاں تک کہ جس نے بخور کے ساتھ دُھونی دی اور اس کا دُھواں سُونگھا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے حلق میں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ فقہاء نے متعدد جگہ پر دخول اور ادخال میں فرق کیا ہے کیونکہ ادخال صائم کا اپنا عمل ہے جس سے بچنا ممکن ہے اس کی تائید صاحبِ نہایہ کا یہ قول کرتا ہے کہ جب مکھی پیٹ میں داخل ہو گئ تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو روزہ کی ضد ہو اور وُہ خارج سے کسی شے کا باطن میں داخل کرنا ہے۔

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 361، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا: "ایک کامل عارف باللہ کے مقبرہ میں بارہ بارہ چند حضرات مل کر بعد ۴ بجے دن کے فاتحہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور بوقتِ فاتحہ ہمیشہ مزار شریف سے کچھ فاصلہ پر لوبان جلایا جاتا ہے اور حاضرین مزار شریف کے قریب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں مگر حضار میں سے کسی شخص کا ارادہ خوشبو یا دُھواں لینے کا ہرگز نہیں ہوتا، اگر بغیر قصد و ارادے کے دُھواں ناک و حلق وغیرہ میں چلا جائے تو کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟ ماہِ رمضان المبارک میں ایک شخص نے بیان کیا کہ اس خفیف دُھوئیں سے روزہ جاتا رہا اور کفارہ لازم آیا، اور جہاں لوبان جلتا ہے روزہ دار وہاں سے علیحدہ کھڑے ہوتے ہیں اگرچہ مکان ایک ہے۔"

اس کے جواب میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: "متون و شروح و فتاویٰ عامہ کتب مذہب میں جن پر مدارِ مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ اس وقت

روزہ ہونا یاد تھا۔۔۔۔ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالت نسیان صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کرکے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔۔۔۔ **بالجملہ مسئلہ غبار ودخان میں دخول بلا قصد وادخال بالقصد پر مدارِ کار ہے۔ اوّل اصلاً مفسد صوم نہیں اور ثانی ضرور مفطر، اور بداہۃً واضح کہ صورت مذکورۂ سوال صورتِ دخول ہے نہ کہ شکلِ ادخال، تو اس میں انتقاضِ صوم کا حکم محض بے سند وبے اصل خیال۔"**

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ489تا494، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی رضویہ کے اس جزئیہ سے ثابت ہوا کہ جس مقام پر دھواں وغیرہ موجود ہو کہ وہ حلق میں جائے گا وہاں جانا اگرچہ ضروری نہ ہو پھر بھی جانے اور بلا قصد دھوئیں وغیرہ کے سانس کے ذریعے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کہ مزار شریف پر حاضری کے لیے جانا کوئی ضروری نہیں تھا، اسی طرح اگر وہ سبب ایسا ہو کہ اس کے اپنانے سے اغلب طور پر غبار وغیرہ حلق میں چلے جائیں گے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے چکی پیسنا، گلیوں میں چلنا، ریگستان میں سفر کرنا، معماروں کا مٹی کی دیوار گرانا وغیرہ بلکہ سبب کلی بھی ہو تب بھی روزہ نہیں جائے گا جیسا کہ کلی کے بعد جو تری منہ میں رہ جائے کہ اس تری کا حلق میں جانا یقینی ہے اور کلی ہے کہ ہر دفعہ ضرور جائے گی۔

چنانچہ مزید فتاوی رضویہ میں ہے: "پس دخولِ دخان و غبار بے قصد واختیار کبھی کہیں پایا جائے اصلاً مفسدِ صوم نہیں ہوسکتا، نہ اس کہنے کی گنجائش کہ فلاں جگہ اتفاق دخول وہاں جانے سے ہوا نہ جاتا نہ ہوتا، اور جانا قصداً تھا تو ممکن الاحتراز ہُوا۔۔۔۔دیکھو کُلی کے بعد جو تری منہ میں باقی رہتی ہے اُسے بھی شرع نے اسی تعذر تحرز کی بنا پر مفطر نہ ٹھہرایا اب وہاں یہ لحاظ ہرگز نہیں کہ یہ کُلی خود بھی ممکن الاحتراز تھی یا نہیں، اگر محض بے ضرورت کُلی کی جب بھی وُہ تری ناقضِ صوم نہ ہوگی حالانکہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ یہ اس کا دخول اس کُلی کرنے سے ہوا، نہ کرتا نہ ہوتا، اور کُلی بے

ضرورت بھی تو ممکن الاحتراز ہُوا۔۔۔۔ثم اقول: وباللہ التوفیق اس پر تو عرشِ تحقیق مستقر ہُوا کہ دخول بلا صنعہ کیفما کان (بلا قصد دخول جیسے بھی ہو۔) اصلاً صالح افطار نہیں، ولہذا علمائے کرام نے مدارِ فرق صرف دخول وادخال پر رکھا، دخول کا کوئی فرد مفطر میں داخل نہ کیا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ 497،496، رضافاونڈیشن، لاھور)

مزید فرمایا: " لاجرم یہاں اگر ہو گا تو وہی محض دخول جسے تمام کُتب میں تصریحاً فرمایا کہ ہر گز مفسدِ صوم نہیں، بالجملہ اصول وفروعِ شرعیہ پر نظر ظاہر اسی طرف منجر کہ اسباب علی الاطلاق ساقط النظر، ولہذا جس طرح رمضان مبارک میں (۱) نہانا، (۲) دریا میں جانا حرام نہ ہُوا حالانکہ اس کے سبب کان میں پانی بھی چلا جاتا ہے۔ (۳) دن کو کھانا پکانا اور (۴) کاموں کے لیے آگ جلانا حرام نہ ہوا ۔ مسلمان (۵) نانبائیوں (۶) حلوائیوں، (۷) لوہاروں، (۸) سناروں وغیرہم کی دُکانیں قطعاً معطل کر دینا واجب نہ ہو حالانکہ ان میں دُھوئیں سے ملابست ہے۔ (۹) جزاروں، (۱۰) قصابوں، (۱۱) شکّر سازوں، حلوائیوں کا بازار ہڑتال کر دینا لازم نہ ہوا کہ کثرتِ مگس کا موجب ہے۔ دن کو (۱۲) چکّی پیسنا، (۱۳) غلّہ پھٹکنا، (۱۴) باہر نکلنا، گلیوں میں چلنا حرام نہ ہوا۔ حالانکہ وہ غالباً غبار سے خالی نہیں ہوتیں۔ یونہی (۱۵) دن کو مساجد بلکہ گھروں میں بھی جھاڑو دینا خصوصاً صدرِ اوّل میں فرش کچّے ہوتے تھے۔ (۱۶) عطاروں کا دوائیں کُوٹنا، (۱۷) مزارعوں کا غلّہ ہوا پر اڑا کر صاف کرنا۔ (۱۸) معماروں کا مٹی کی دیوار گرانا۔ (۱۹) مسافروں کا خوب چلتی ہوئی ریگستان میں سفر کرنا۔ (۲۰) فوج صائمین کا گھوڑوں پر سوار نرم زمینوں سے گزرنا کہ غالباً دخول غبار کے اسباب ہیں ان کی حرمت بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ فوجی مجاہدوں کا روزہ احادیث سے ثابت اور بے ضرورت کُلی کا جواز تو صراحتاً منصوص۔"

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ 503، رضافاونڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد ھاشم خان عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد عرفان مدنی عطاری

فتویٰ:22

روزہ ٹوٹنے کی دو صورتوں کی علت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ فیضانِ رمضان میں یہ مسئلہ ہے کہ سحری کانوالہ منہ میں تھا کہ صبح طلوع ہوگئی یا بھول کر کھا رہا تھا، نوالہ منہ میں تھا کہ یاد آگیا اور نگل لیا تو دونوں صورتوں میں کفارہ واجب، مگر جب منہ سے نکال کر پھر کھایا ہو تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ اس مسئلہ کے حوالہ سے یہ ارشاد فرمائیے کہ منہ سے نکالے بغیر نگل لیا تو کفارہ واجب ہے اور منہ سے نکال کر پھر کھایا تو صرف قضا ہے کفارہ نہیں، حکم میں فرق کیوں ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

پہلی صورت میں کفارہ اس لئے واجب ہے کہ جب تک لقمہ منہ میں ہے تو اسے لذت کے طور پر کھایا جاتا ہے اور دوسری صورت میں فقط قضا ہے، کفارہ نہیں، اس لئے کہ لقمہ منہ سے نکالنے کے بعد بطورِ لذت نہیں کھایا جاتا بلکہ طبیعت اس کے کھانے سے پرہیز کرتی ہے۔

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ:23

روزے میں سرمہ، تیل اور مہندی لگانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ روزے کی حالت میں سرمہ ڈالنا اور سر یا جسم پر تیل لگانے کا کیا حکم ہے نیز کیا مہندی لگانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

آنکھ میں سرمہ ڈالنے، جسم یا سر پر تیل لگانے اور مہندی لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حدیث پاک میں ہے:"عن انس بن مالک قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اشتکت عینی افا کتحل وانا صائم قال نعم" ترجمہ: حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں سرمہ لگا سکتا ہوں جبکہ میں روزے سے ہوں؟ فرمایا: ہاں۔

(جامع الترمذی، جلد1، صفحہ273، مطبوعہ لاہور)

سنن ابی داؤد میں ہے:"عن انس بن مالک انہ کان یکتحل وھو صائم" ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، جلد1، صفحہ344، مطبوعہ لاہور)

در مختار میں ہے:"ادھن او اکتحل او احتجم وان وجد طعمہ فی حلقہ لم یفطر" ترجمہ: تیل یا سرمہ لگایا یا پچھنے لگوائے اگرچہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(در مختار مع رد المحتار، جلد3، صفحہ421، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:"پھری سنگی لگوائی یا تیل یا سرمہ لگایا تو روزہ نہ گیا اگرچہ تیل یا سرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو۔" (بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ982، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:24

کیا روزے کی حالت میں سُرمہ لگانا مکروہ ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ لوگ کہتے ہیں کہ روزے کی حالت میں سُرمہ لگانے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جی نہیں، بلکہ روزے میں سُرمہ لگانا، جائز، بلکہ اس کی اجازت تو خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں: ”عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اشتکت عینی افاکتحل وانا صائم قال نعم“ ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری آنکھ میں مرض ہے، کیا میں روزے کی حالت میں سُرمہ لگا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں۔

(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الکحل الصائم، جلد1، صفحہ273، مطبوعہ لاھور)

مختصر القدوری اور الجوھرۃ النیرہ میں ہے: ”فان نام فاحتلم......او اکتحل سواء وجد طعم الکحل اولا فانہ لا یفطر“ ترجمہ: اگر کوئی شخص (روزے کی حالت) میں سویا اور اسے احتلام ہو گیا..... یا اس نے سُرمہ لگایا تو اس کا روزہ نہ ٹوٹا، برابر ہے کہ سرمے کا ذائقہ (حلق میں) محسوس ہو یا نہ ہو۔ (الجوھرۃ النیرہ شرح المختصر القدوری، کتاب الصوم، صفحہ170، مطبوعہ ملتان)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”تیل یا سُرمہ لگایا تو روزہ نہ گیا، اگرچہ تیل یا سُرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو، بلکہ تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی

دکھائی دیتا ہو، جب بھی نہیں ٹوٹتا۔"

(بہارِ شریعت، حصہ 5، جلد 1، صفحہ 982، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ	الجواب صحیح
المتخصص فی الفقہ الاسلامی	مفتی محمد قاسم عطاری
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی عطاری	

فتویٰ: 25

روزہ دار کا قے آنے کے بعد کھانا پینا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کو روزے کی حالت میں خود بخود منہ بھر قے آئی، اس کا خیال تھا کہ قے آنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اس نے قے کے بعد جان بوجھ کر پانی پی لیا۔ مذکورہ صورت میں روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

خود بخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ کتنی ہی قے آئے۔ اگر ایسی قے آنے کے بعد کسی نے یہ جان کر کہ اس طرح تو روزہ ٹوٹ گیا کچھ کھا پی لیا تو اب روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس صورت میں اسے روزے کی صرف قضا رکھنی پڑے گی، کفارہ نہیں ہو گا۔

(ماخوذ از در مختار، جلد 3، صفحہ 431، بہارِ شریعت، جلد 1، صفحہ 989)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ:26

عورت کو حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو کیا وہ کھا، پی سکتی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ روزے کے دوران عورت کو اگر حیض یا نفاس آجائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کھانے پینے سے متعلق کیا حکم ہے؟ بعض کہتے ہیں اگر زوال سے پہلے حیض و نفاس کی وجہ سے ٹوٹے، تو کھا پی سکتی ہے اور اگر زوال کے بعد ٹوٹے تو روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے اب کھانا پینا جائز نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

روزہ کے لیے عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے، کیونکہ حیض و نفاس روزہ کے منافی ہیں، لہذا دورانِ روزہ عورت کو اگر حیض یا نفاس آجائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور عورت پر اس روزہ کی قضا لازم ہو گی۔ عورت کا حیض و نفاس آنے سے جب روزہ ٹوٹ گیا تو چاہے زوال سے پہلے ٹوٹا یا بعد میں بہر صورت اس کے لئے روزہ داروں کی مشابہت واجب نہیں یعنی وہ کھا پی سکتی ہے، جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے خصوصا حیض والی کے لئے کہ سب کے سامنے کھانے پینے سے پرہیز کرے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــــــــہ
مفتی فضیل رضا عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

فتویٰ:27

روزے کی حالت میں حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کو روزے کی حالت میں حیض کا خون آجائے تو اس صورت میں اس کا یہ روزہ ہو گا یا نہیں؟ نیز اگر روزہ

نہیں ہو گا تو کیا یہ دن کے بقیہ حصے میں کھا پی سکتی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر روزے کی حالت میں عورت کو حیض آجائے تو اس دن کا روزہ نہیں ہو گا، دیگر ایامِ حیض کی طرح اس دن کے روزے کی بھی بعد میں قضا کرنی ہو گی۔ نیز اس صورت میں عورت پر بقیہ دن روزہ دار کی طرح گزارنا، واجب نہیں، کھانا وغیرہ کھا سکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ چھپ کر کھانا وغیرہ کھائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”واذا حاضت المراۃ او نفست افطرت، کذا فی الھدایۃ“ ترجمہ: اور اگر عورت کو حیض یا نفاس کا خون آجائے، تو ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد1، صفحہ 207، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: ”عورت کو جب حیض و نفاس آگیا تو روزہ جاتا رہا۔۔۔۔ حیض و نفاس والی کے لیے اختیار ہے کہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً، روزہ (دار) کی طرح رہنا، اس پر ضروری نہیں۔ مگر چھپ کر کھانا اولی ہے خصوصاً حیض والی کے لیے۔ ملخصاً“

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ 1004، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

روزہ توڑنے کا کفارہ

فتویٰ:28

کن صورتوں میں روزہ توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ روزہ توڑنے پر کفارہ لازم آنے کے حوالے سے مکمل ضابطہ کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

رمضان مبارک میں روزہ دار مکلّف مقیم نے ادائے رمضان کا روزہ رکھا، جس کی نیت رات سے کی تھی اور بغیر جبر و اکراہ شرعی اور بھول کے کسی آدمی کے ساتھ جو قابلِ شہوت ہے، اُس کے آگے یا پیچھے کے مقام میں جماع کیا، انزال ہوا ہو یا نہیں یا اس روزہ دار کے ساتھ جماع کیا گیا یا اس روزے دار نے بغیر عذر صحیح اور بغیر جبر و اکراہ شرعی اور بھول کے کوئی غذا یا دوا کھائی یا پانی پیا یا کوئی نفع رساں چیز کھائی، یا کوئی چیز لذّت کے لیے کھائی یا پی یا کوئی ایسا فعل کیا جس سے افطار کا گمان نہ ہوتا ہو اور اس نے گمان کر لیا کہ روزہ جاتا رہا پھر قصداً کھا پی لیا تو ان سب صورتوں میں روزہ کی قضا اور کفّارہ دونوں لازم ہیں، البتہ اگر ان تمام صورتوں میں کہ جن میں افطار کا گمان نہ تھا اور اس نے گمان کر لیا اگر کسی مفتی نے فتویٰ دے دیا تھا کہ روزہ جاتا رہا اور وہ مفتی ایسا ہو کہ اہل شہر کا اس پر اعتماد ہو، اس کے فتویٰ دینے پر اس نے قصداً کھا لیا یا اس نے کوئی حدیث سنی تھی جس کے صحیح معنی نہ سمجھ سکا اور اس غلط معنی کے لحاظ سے جان لیا کہ روزہ جاتا رہا اور قصداً کھا لیا تو اب کفّارہ لازم نہیں، اگرچہ مفتی نے غلط فتویٰ دیا یا جو حدیث اس نے سنی وہ ثابت نہ ہو۔

کفارہ لازم ہونے کے لیے ان تمام صورتوں کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ روزہ توڑنے کے بعد

اسی دن میں افطار سے پہلے کوئی آسمانی عذر مثل حیض، نفاس یا ایسا مرض جس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے یا توڑنے کی اجازت ہو، وغیرہ پیدا نہ ہو، کیونکہ اگر اسی دن روزہ توڑنے کے بعد عورت کو حیض یا نفاس شروع ہو گیا، یا روزہ توڑنے والے کو ایسی بیماری لگ گئی جس کی وجہ سے اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی شرعاً اجازت ہے تو اب صرف قضا لازم ہو گی، کفارہ لازم نہیں ہو گا۔

جن صورتوں میں روزہ توڑنے پر کفّارہ لازم نہیں ان میں یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی بار ایسا ہوا ہو اور معصیت کا قصد نہ کیا ہو، ورنہ ان میں بھی کفّارہ دینا ہو گا۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد نوید چشتی

فتویٰ:29

روزہ توڑنے کا کفارہ کیا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دے، تو اس کا کیا کفارہ ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بلاعذر شرعی جان بوجھ کر روزہ توڑنا، ناجائز و گناہ ہے اور اس سے توبہ کرنا اور اس روزے کی قضاء کرنا بھی لازم ہے، لیکن کفارہ لازم ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

(1) رمضان میں ادائے رمضان کی نیت سے روزہ رکھا ہو۔

(2) روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے (یعنی سحری کے وقت) کر لی ہو۔

(3) شرعی مسافر نہ ہو۔

(4) اکراہ شرعی نہ ہو۔

(5) بغیر خطاء کے جان بوجھ کر روزہ توڑا ہو۔

(6) روزہ ٹوٹنے کا سبب کسی قابلِ جماع انسان سے اگلے یا پچھلے مقام سے جماع کرنا ہو یا کسی مرغوب چیز کو بطورِ دوا، غذا یا رغبت ولذت کے کھانا پینا ہو۔

(7) روزہ توڑنے کے بعد اسی دن کوئی ایسا امر نہ پایا جائے، جو روزے کے منافی ہو۔ (جیسے حیض ونفاس)۔

(8) بلا اختیار ایسا امر بھی نہ پایا جائے، جس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہو جیسے سخت بیماری۔

البتہ یہ بھی یاد رہے کہ جن صورتوں میں کفارہ لازم نہیں ہوتا، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ایسا ایک ہی بار ہوا ہو اور اس میں معصیت کا قصد نہ کیا ہو، ورنہ ان میں بھی کفارہ لازم ہو گا۔

اور روزہ توڑنے کا کفارہ وہی ہے، جو ظہار کا کفارہ ہے کہ لگاتار ساٹھ روزے رکھے اور اگر اس پر قادر نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا (یا اس کی رقم) دے۔

جن صورتوں میں روزے کا کفارہ لازم نہیں ہوتا، ان کے بارے میں درمختار میں ہے: "وان افطر خطا۔۔او مکرھا۔۔او اصبح غیر ناوٍ للصوم۔۔او افسد غیر صوم رمضان۔۔قضی فی الصورة کلھا فقط" ترجمہ: اگر غلطی سے روزہ ٹوٹ گیا یا اکراہ شرعی سے روزہ توڑا یا صبح روزے کی نیت کے بغیر ہی کی یا رمضان کے علاوہ کا روزہ تھا تو ان صورتوں میں صرف قضاء لازم ہوتی ہے۔ (درمختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم، جلد 3، صفحہ 429 تا 439، مطبوعہ کوئٹہ)

مسافر کے روزہ توڑنے کے بارے میں بحر الرائق میں ہے: "لو نوی المسافر الصوم لیلا واصبح من غیر ان ینقض عزیمتہ قبل الفجر ثم اصبح صائما لایحل فطرہ فی ذلک الیوم ولو افطر لا کفارۃ علیہ" ترجمہ: اگر مسافر نے رات میں نیت کی اور صبح اپنی عزیمت کو

فجر سے پہلے تک باقی رکھا پھر روزے کی حالت میں صبح کی تو اس کے لئے اس دن کا روزہ توڑنا، جائز نہیں اگر اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں۔

(البحرالرائق، کتاب الصوم، فصل فی عوارض الفطر، جلد2، صفحہ506، مطبوعہ کوئٹہ)

روزے کے کفارے کی شرائط کے متعلق فتاوی رضویہ میں ہے: "کسی نے بلاعذر شرعی رمضان مبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی تھی بالقصد کسی غذا یا دوا یا نفع رساں شے سے توڑ ڈالا اور شام تک کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہوا جس کے باعث شرعاً آج روزہ رکھنا ضرور نہ ہوتا تو اس جرم کے جرمانے میں ساٹھ روزے پے درپے رکھنے ہوتے ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ519، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

روزے کے کفارے کی شرائط کے متعلق مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: "رمضان میں روزہ دار مکلف مقیم نے کہ ادائے روزہ رمضان کی نیت سے روزہ رکھا اور کسی آدمی کے ساتھ جو قابل شہوت ہے اس کے آگے یا پیچھے کے مقام میں جماع کیا۔۔ یا کوئی غذا یا دوا کھائی یا پانی پیا یا کوئی چیز لذت کے لیے کھائی تو ان سب صورتوں میں روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔۔ جس جگہ روزہ توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ رات ہی سے روزہ رمضان کی نیت کی ہو، اگر دن میں نیت کی اور توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں۔۔ کفارہ لازم ہونے کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ روزہ توڑنے کے بعد کوئی ایسا امر واقع نہ ہوا ہو، جو روزہ کے منافی ہو یا بغیر اختیار ایسا امر نہ پایا گیا ہو، جس کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی رخصت ہوتی، مثلاً عورت کو اسی دن میں حیض یا نفاس آگیا یا روزہ توڑنے کے بعد اسی دن میں ایسا بیمار ہو گیا جس میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے تو کفارہ ساقط ہے۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ991، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: "جن صورتوں میں روزہ توڑنے پر کفارہ لازم نہیں ان میں شرط ہے کہ ایک ہی بار ایسا ہوا ہو اور معصیت کا قصد نہ کیا ہو ورنہ ان میں کفارہ دینا ہو گا۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ992، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کفارہ ظہار کے متعلق اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ ترجمہ: پھر جسے بردہ نہ ملے تو لگاتار دو مہینے کے روزے، قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں پھر جس سے روزے بھی نہ ہو سکیں تو ساٹھ مسکینوں کا پیٹ بھرنا۔ (القرآن، سورۃ المجادلہ، پارہ 28، آیت 4)

روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار والا ہونے کے متعلق حدیث پاک میں ہے:"عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرالذی افطر یومامن رمضان بکفارۃالظھار"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رمضان کا روزہ توڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ظہار کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

(سنن دارقطنی، کتاب الصیام، باب القبلۃ للصائم، جلد3، صفحہ167، بیروت)

روزہ توڑنے کا کفارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا:"فاعتق رقبۃ قال لیس عندی، قال فصم شھرین متتابعین قال لااستطیع، قال فاطعم ستین مسکینا" ترجمہ: تو ایک گردن آزاد کر، انہوں نے عرض کی کہ یہ میرے پاس نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو مہینے کے روزے رکھو، انہوں نے عرض کی کہ مجھ میں اس کی بھی استطاعت نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

(صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب نفقۃ المعسر، جلد2، صفحہ808، مطبوعہ کراچی)

روزہ توڑنے کے کفارے کے متعلق خلاصۃ الفتاوی میں ہے:"کفارۃ الفطر و کفارۃ الظھار واحدۃ، وھی عتق رقبۃ مؤمنۃ او کافرۃ فان لم یقدرعلی العتق فعلیہ صیام شھرین متتابعین، وان لم یستطع فعلیہ اطعام ستین مسکینا" ترجمہ: روزہ توڑنے اور ظہار کا کفارہ ایک ہی ہے کہ مسلمان یا کافر گردن آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصوم، الفصل الثالث، جلد1، صفحہ261، مطبوعہ کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:30

کفارے میں 60 دنوں کا اعتبار ہے یا چاند کے حساب سے دو مہینوں کا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ماہِ رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی جان بوجھ کر توڑنے کی وجہ سے جس شخص پر دیگر شرائط کی موجودگی میں کفارہ لازم ہوا اور وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھ کر کفارہ ادا کر رہا ہو تو کیا اسے ساٹھ دن کے روزے رکھنا لازم ہے یا چاند کا مہینہ 29 دن کا ہونے سے کفارے کے دن کم ہو جائیں گے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

رمضان المبارک کا قصداً روزہ توڑنے کی صورت میں ظہار کے کفارے کی طرح دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے کا حکم ہے، اس طرح کہ اگر روزہ رکھنے کی ابتدا قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے ہو تو دوسرے قمری مہینے کے آخری دن تک روزہ رکھنے سے کفارہ مکمل ہو جائے گا اگرچہ دونوں مہینے 29 دن کے ہوں، البتہ جو شخص قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے روزہ رکھنے کے بجائے کسی اور تاریخ سے روزوں کی ابتدا کرے تو اسے ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے۔

سنن الدار قطنی کی روایت میں ہے: ”عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الذی افطر یوما من رمضان بکفارۃ الظھار“ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے ایک دن کا روزہ توڑنے والے کو کفارہ ظہار کا حکم دیا۔ (سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 411، دار المعرفہ، بیروت)

ردالمحتار میں ظہار کے روزے کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:"اذا ابتدأ الصوم فی اول الشھر کفاہ صوم شھرین تامین او ناقصین و کذا لو کان احدھما تاما والآخر ناقصا، وان لم یکن صومہ فی اول الشھر برویۃ الھلال بان غم اوصام فی اثناء الشھر فانہ یصوم ستین یوما "یعنی جب کفارے کے روزے رکھنے کی ابتدا مہینے کے شروع سے ہو تو دو ماہ کے روزے کفایت کریں گے، چاہے دو ماہ مکمل تیس دن کے ہوں یا دونوں 29 دن کے ہوں یا دونوں میں سے ایک تیس دن کا مکمل ہو اور دوسرا 29 دن کا ہو اور اگر چاند دیکھ کر مہینے کی ابتدا سے روزے نہیں رکھے اس طرح کہ بادلوں کی وجہ سے رویت ہلال نہ ہوئی یا مہینے کے درمیان سے روزہ رکھنا شروع کیا تو ساٹھ دن کے روزے رکھے گا۔ (ردالمحتار، جلد5، صفحہ141، مطبوعہ کوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں رمضان کے روزے کا کفارہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:" (صام شھرین متتابعین) ولو ثمانیۃ و خمسین یوما بالھلال والافستین یوما "یعنی دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے، اگرچہ 58 دن بنیں جبکہ روزے چاند دیکھ کر شروع کرے ورنہ ساٹھ دن پورے کرے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، جلد2، صفحہ335، مکتبہ غوثیہ، کراچی)

نزہۃ القاری میں ہے:" دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جس نے رمضان میں روزہ توڑ دیا تھا، ظہار کے کفارے کا حکم دیا اور ظہار کے کفارے میں ترتیب ہے۔ نیز اس حدیث کا سیاق بھی اس پر نص ہے۔ سب سے پہلے غلام آزاد کرنا۔ یہ غلام مرد ہو یا باندی، مسلمان ہو یا کافر، بچہ ہو یا بوڑھا۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے۔ اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔" (نزھۃ القاری، جلد3، صفحہ337، فرید بک اسٹال، لاھور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"روزے اگر پہلی تاریخ سے رکھے تو دوسرے مہینے کے ختم پر کفارہ ادا ہو گیا اگرچہ دونوں مہینے 29 کے ہوں اور اگر پہلی تاریخ

سے نہ رکھے ہوں تو ساٹھ پورے رکھنے ہوں گے۔"

(بہارشریعت، جلد2، صفحہ213، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

تراویح

فتویٰ: 31

جس کی ابھی داڑھی نہیں آئی، ایسے بالغ لڑکے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسا بالغ لڑکا، جس کی ابھی داڑھی نہ آئی ہو، وہ فرض وتر اوتراویح وغیرہ نمازوں میں امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ایسا بالغ لڑکا جس کی ابھی داڑھی نہ آئی ہو، وہ اگر امامت کا اہل ہو یعنی مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، شرعی معذور نہ ہو، صحیح القراءۃ، سنی صحیح العقیدہ ہو اور فاسقِ معلن نہ ہو، تو فرض وتر اوتراویح وغیرہ نفل و واجب نمازوں میں بالغ مردوں کی امامت کرا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ امامت کی صحت کا مدار دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ بلوغت پر ہے، نہ کہ داڑھی کے موجود ہونے پر، ہاں جو داڑھی منڈاتا یا ایک مٹھی سے کم کراتا ہو، تو وہ چونکہ فاسقِ معلن ہے اور امام کے لیے فاسقِ معلن نہ ہونا بھی ضروری ہے، لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز اور جو پڑھی، اس کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس بالغ لڑکے کی ابھی داڑھی نہ آئی ہو، امامت کا اہل ہونے کی صورت میں اس کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز اگرچہ درست ہے، لیکن اگر وہ امرد یعنی پرکشش و خوبصورت لڑکا اور فساق کے لیے محلِ شہوت ہو، تو اس کے پیچھے نماز مکروہِ تنزیہی یعنی ناپسندیدہ ہے۔

رد المحتار میں غیر معذور مردوں کے امام کی شرائط نور الایضاح سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”شروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء: الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ

والقراءة والسلامة من الاعذار" صحیح مردوں کی امامت کے لئے چھ چیزیں شرط ہیں: اسلام، بلوغت، عقل، مرد ہونا، قراءت اور اعذار سے سلامت ہونا۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد2، صفحہ337، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن امامت کی چند شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "امام میں چند شرطیں ہیں: اولاً قرآنِ عظیم ایسا غلط نہ پڑھتا ہو، جس سے نماز فاسد ہو۔ دوسرے وضو، غسل، طہارت صحیح رکھتا ہو۔ سوم سنی صحیح العقیدہ ہو، بدمذہب نہ ہو۔ چہارم فاسق معلن نہ ہو، اسی طرح اور امور منافیِ امامت سے پاک ہو۔ ملخصاً۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد6، صفحہ543، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاہور)

درِ مختار میں بالغ امرد لڑکے کی امامت کے متعلق ہے: "تکرہ خلف امرد" امرد یعنی خوبصورت لڑکے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(الدر المختار مع ردالمحتار، جلد2، صفحہ359، مطبوعہ کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "قولہ (تکرہ خلف امرد) الظاھر انھا تنزیھیۃ و الظاھر ایضا کما قال الرحمتی اِن المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ "شارح علیہ الرحمۃ کا قول (امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے) ظاہر یہ ہے کہ یہ تنزیہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے جیسا کہ علامہ رحمتی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے مراد خوبصورت چہرے والا لڑکا ہے، کیونکہ وہ محلِ فتنہ ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد2، صفحہ359، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "ھل تجوز الصلاۃ خلف الامرد الذی ھو ابن ستۃ عشر سنۃ (کیا سولہ سالہ امرد کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے)؟" اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "نعم تجوز ان لم یکن مانع شرعی لانہ بالغ شرعا و ان لم تظھر الاثار، نعم تکرہ ان کان صبیحا محل الفتنۃ کما فی رد المحتار عن الرحمتی (ہاں جائز ہے اگر کوئی مانعِ شرعی نہ ہو کیونکہ شرعاً وہ بالغ ہے اگرچہ بلوغت کے آثار ظاہر

نہ ہوئے ہوں، ہاں اگر وہ خوبصورت محلِ فتنہ ہو تو مکروہ (تنزیہی) ہو گی جیسا کہ رد المحتار میں علامہ رحمتی کے حوالے سے ہے)۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد6، صفحہ612، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:32

صرف تراویح کے لیے داڑھی رکھنے اور بعد میں کٹوادینے والے حافظ کے پیچھے نماز

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض حافظ سارا سال داڑھی منڈاتے یا کٹوا کر ایک مٹھی سے کم رکھتے ہیں اور رمضان المبارک سے ایک، دو ماہ پہلے کٹوانا چھوڑ دیتے ہیں اور تراویح کے لیے امام بن جاتے ہیں اور رمضان گزرتے ہی معاذ اللہ! دوبارہ کٹوا دیتے ہیں، ایسوں کے پیچھے تراویح پڑھنا یا ان کو تراویح کے لیے امام بنانا کیسا ہے؟ اور ایسے حافظ عموماً یہی کہتے ہیں کہ ہم نے داڑھی کٹوانے سے توبہ کر لی ہے، آئندہ ایسا نہیں کریں گے، لیکن مشاہدہ یہی ہے کہ وہ رمضان کے بعد دوبارہ کٹوالیتے ہیں۔ آپ رہنمائی فرمائیں کہ ایسے حافظ کو امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مٹھی سے کم کرنا حرام ہے، لہٰذا داڑھی منڈے یا خشخشی داڑھی رکھنے والے امام کے پیچھے کوئی بھی نماز، چاہے فرض ہو یا تراویح، پڑھنا جائز نہیں اور اسے امام بنانا بھی ناجائز و گناہ ہے اور اس کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی، تو وہ مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

لہٰذا وہ حافظ جس کے بارے میں مشاہدہ یہی ہے کہ رمضان میں تراویح کے لیے کچھ ماہ تک

داڑھی کٹوانا چھوڑ دیتا ہے اور تراویح سنانے کے بعد دوبارہ اسی حالت پر پھر جاتا ہے، تو اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، جب تک رمضان کے بعد بھی ایک، دو سال تک بہتری والی حالت واضح نہ ہو جائے۔ حافظ کا یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی ہے۔ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے، لیکن ہم اس کو اس وقت تک امام نہیں بنائیں گے، جب تک اس کی ظاہری حالت قابلِ اطمینان نہ ہو جائے۔

داڑھی سے متعلق بخاری شریف میں ہے: "عن ابن عمرعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین وفروا اللحی وأحفوا الشوارب وکان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل أخذہ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی، اسے کاٹ دیتے تھے۔

(صحیح البخاری، جلد2، صفحہ398، مطبوعہ لاہور)

امام کمال الدین ابن ہمام علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: "واما الاخذ منھا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد" ترجمہ: داڑھی ایک مٹھی سے کم کروانا جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور زنانہ وضع کے مرد کرتے ہیں، اسے کسی نے بھی مباح نہیں قرار دیا۔

(فتح القدیر، جلد2، صفحہ352، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "داڑھی کترواکر ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ98، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مٹھی سے کم داڑھی والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔"

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ603، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

داڑھی ترشوا کر ایک مٹھی سے کم کرنے والے کو امام بنانا بھی گناہ ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "وہ فاسق معلن ہے اور اسے امام کرنا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیہ میں ہے: "لو قدموا فاسقا یاثمون" اگر لوگوں نے فاسق کو مقدم کیا تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔" (فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ544، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فاسق کی توبہ کے قبول کرنے اور اسے امام بنانے کے بارے میں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "اللہ عزوجل اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ﴾ (یعنی: اور وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے) جو لوگ توبہ نہیں مانتے، گنہگار ہیں، ہاں اگر اس کی حالت تجربہ سے قابل اطمینان نہ ہو اور یہ کہیں کہ تو نے توبہ کی اللہ توبہ قبول کرے۔ ہم تجھے امام اس وقت بنائیں گے، جب تیری صلاح حال ظاہر ہو، تو یہ بجا ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ605، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فسق اعلانیہ کا مرتکب شخص اگر اپنے گناہ سے توبہ کر لے اور توبہ کے بعد اس کی ظاہری حالت قابل اطمینان ہو جائے، تو اس کو امام بنانے میں حرج نہیں۔ جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت سے فاسق معلن جس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی، اس کی امامت کے بارے میں سوال ہوا، تو آپ نے جواب میں فرمایا: "جب بعد توبہ صلاح حال ظاہر ہو، اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو۔" (فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ605، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی اعظم پاکستان مفتی وقار الدین رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ بعض حفاظ کرام رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لیے داڑھی منڈوانا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ تراویح پڑھا سکیں، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟

تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: "مذہب صحیح پر ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔ منڈوانے والا

یا کاٹ کر حد شرعی سے کم کرنے والا فاسق ہے۔ فاسق کی امامت مکروہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی، ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ فرض اور تراویح سب کا حکم ایک ہی ہے۔ جو حفاظ ایسا کرتے ہیں کہ رمضان میں داڑھی رکھتے ہیں اور رمضان کے بعد کٹوا دیتے ہیں، وہ عوام اور شریعت کو دھوکہ دیتے ہیں اور شریعت کو دنیا کمانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔"

(وقار الفتاوی، جلد2، صفحہ 223، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ: 33

مسجد میں عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا عورتیں جمعہ و عیدین کی نمازیں اور پانچ وقت کی فرض نمازیں اور تراویح کی نماز مسجد میں مردوں کی جماعت کے ساتھ ادا کر سکتی ہیں؟ نیز مردوں کی جماعت کے بعد مسجد میں اپنی الگ جماعت کروا سکتی ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

عورتوں کے لیے کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں، مسجد میں ہو یا ہال میں، چاہے دن کی نماز ہو یا رات کی، جمعہ ہو یا عیدین یا صلاۃ التسبیح اور عام نوافل کی جماعت، خواہ وہ عورتیں جوان ہوں یا بوڑھیاں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں ان کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت تھی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی حالت کو دیکھا تو ان کو مسجد میں آنے

سے منع فرما دیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس کے بارے میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ لیتے جو ان عورتوں میں ظاہر ہوا ہے تو آپ ضرور ان کو منع فرماتے۔

نیز عورتیں مردوں کی جماعت کے اوقات کے علاوہ بھی اپنی نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہو سکتیں، چاہے وہ اکیلے نماز پڑھیں یا کوئی عورت ان کی امامت کرائے، کہ عورت کی امامت مطلقا مکروہ تحریمی ہے، فرض کی جماعت ہو یا نفل کی، مسجد میں ہو یا گھر میں اور دوسری وجہ یہ کہ فرض کی جماعت مسنونہ واجبہ کی ادائیگی کے لئے جب مسجد میں جانا منع ہے، تو اپنی جماعت کروانے کے لئے کہ جو مشروع و جائز ہی نہیں اس کی ادائیگی کے لئے جانا کیونکر جائز ہو گا؟ ضرور اس صورت میں صرف ممانعت نہیں بلکہ ناجائز و گناہ کا حکم ہو گا۔

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــه	الجواب صحیح
المتخصص فی الفقه الاسلامی	مفتی محمد قاسم عطاری
محمد نوید چشتی	

فتوی: 34

سجدہ تلاوت کے بعد قیام میں کچھ آیات پڑھنا ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ الحمد للہ میں حافظ قرآن ہوں۔ ہر سال تراویح میں قرآن پاک سناتا ہوں۔ تراویح میں آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ تلاوت کرنے کے بعد جب ہم کھڑے ہوتے ہیں تو کچھ آیات مزید پڑھنے کے بعد پھر رکوع و سجدہ کرتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا کچھ آیات پڑھ کر پھر رکوع و سجدہ کرنا ضروری ہے؟ یا بغیر کچھ پڑھے فوراً بھی رکوع و سجدہ کر سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ تلاوت کرنے کے بعد جب کھڑے ہوں تو مزید کچھ آیات پڑھ کر پھر رکوع و سجدہ کرنا ضروری نہیں، بغیر کچھ پڑھے فوراً بھی رکوع و سجدہ کر سکتے ہیں، اس میں حرج نہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہونے کے بعد اگر اسی سورت کی آیات باقی ہوں تو ان میں سے کچھ آیات کی تلاوت کے بعد اور اگر وہ سورت ختم ہو گئی ہو تو اگلی سورت کی کچھ آیات کی تلاوت کے بعد رکوع و سجدہ کریں۔

و اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

اعتکاف

فتویٰ:35

حالتِ اعتکاف میں گرمی اور صفائی ستھرائی کے لیے غسل کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اعتکاف کے دوران بغیر شرعی حاجت کے محض گرمی اور نفاست کے لیے نہانا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں:

(1) حاجتِ شرعی مثلاً جمعہ کے لیے جانا، جبکہ اس مسجد میں جمعہ کا اہتمام نہ ہو۔

(2) حاجتِ طبعی جو مسجد میں پوری نہ ہو سکتی ہو۔ جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجا، وضو اور غسلِ جنابت۔ اگر فنائے مسجد میں وضو و غسل کے لیے جگہ بنی ہو تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔

بخاری شریف کی حدیثِ پاک ہے: "عن عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يباشرني وأنا حائض وكان يخرج رأسه من المسجد وهو معتكف فأغسله وأنا حائض" یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے جسم مس کرتے تھے، حالانکہ میں حائضہ ہوتی اور اپنا سر مبارک بحالتِ اعتکاف مسجد سے میری طرف نکال دیتے، تو میں آپ کے سر کو دھو دیتی تھی، حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، جلد 1، صفحہ 665، حدیث: 2030، 2031)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ اعتکاف غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ اس لیے حضور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف سر مبارک نکالتے تھے، لہٰذا اگر معتکف اپنا

سر دھونے کے لیے مسجد سے باہر نکال دے، تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

المبسوط میں ہے:" (ولا بأس بأن یخرج رأسه من المسجد إلی بعض أهله لیغسله) لما روی أنّ النبی صلی اللہ علیه وسلم فی اعتکافه کان یخرج رأسه الی عائشة فکانت تغسله وترجله " ترجمہ: (معتکف کے لیے) مسجد سے اپنے گھر والوں کی طرف سر نکالنے میں تاکہ وہ اس کو دھودیں، کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ اعتکاف اپنا سر انور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف نکالتے، تو آپ رضی اللہ عنہا سرِ انور کو دھویا کرتیں اور کنگھی کیا کرتی تھیں۔

(المبسوط، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ج 2، ص 141، الجزء الثالث)

اگر غسل خانہ فنائے مسجد میں ہے، تو بغیر غسل واجب ہوئے گرمی و تروتازگی کے لیے مناسب طریقہ سے غسل کر سکتے ہیں۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریاتِ مسجد کے لیے ہے، مثلاً: جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔۔۔ فنائے مسجد اس معاملہ میں حکم مسجد میں ہے۔"

(ملتقطا از فتاویٰ امجدیہ، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 399، مطبوعہ)

اگر غسل خانہ مسجد سے باہر ہے، تو گرمی و تروتازگی کے لیے غسل کرنے کے لیے جانے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا عطاری مدنی

فتویٰ:36

کیا نفلی اعتکاف ٹوٹنے پر قضا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک اسلامی بہن ستائیسویں شب سے تین دن کی نیت سے اعتکاف میں بیٹھ گئی، اس نے اعتکاف کی منت بھی نہیں مانی تھی، بس ایسے ہی نیت کرکے اعتکاف میں بیٹھ گئی، لیکن انتیسویں (29) روزے کو اسے حیض آیا، تو روزہ ٹوٹنے کی وجہ سے اعتکاف بھی ٹوٹ گیا، اب اس اعتکاف کی قضا کیسے کرنی ہوگی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صورت مسئولہ میں اعتکاف ختم ہونے کی وجہ سے اس کی قضا لازم نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ نہیں ہے کہ سنّتِ مؤکدہ آخری دس دن کا ہوتا ہے اس سے کم کا نہیں، اور اس کی منّت بھی نہیں مانی تو یہ نفل ہوا اور مسجد بیت میں نفلی اعتکاف ہو سکتا ہے لہٰذا یہ اعتکاف نفلی ہے اور نفلی اعتکاف کی قضا لازم نہیں ہوگی۔

ردالمحتار میں عورت کے اعتکاف کے متعلق ہے: ”فلو خرجت منه ولو الی بیتها بطل الاعتکاف لو واجبا، وانتھی لو نفلا “یعنی اگر عورت مسجدِ بیت سے نکلے اگرچہ اپنے گھر کی طرف تو اس کا اعتکاف اگر واجب ہوا تو ٹوٹ جائے گا، اور نفل ہوا تو پورا ہو جائے گا۔

(ردالمحتار، جلد3، صفحہ 435، مطبوعہ ملتان)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرّحمۃ بہارِ شریعت میں اعتکاف کی قضا کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اعتکافِ نفل اگر چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں کہ وہیں ختم ہو گیا اور اعتکافِ مسنون کہ رمضان کی پچھلی دس تاریخوں تک کیلیے بیٹھا تھا اسے توڑا تو جس دن توڑا فقط اس ایک دن کی قضا کرے پورے دس دن کی قضا واجب نہیں اور منّت کا اعتکاف توڑا تو اگر کسی معین مہینے کی منّت تھی

تو باقی دنوں کی قضا کرے ورنہ اگر عَلَی الْاِتِّصال واجب ہوا تھا تو سرے سے اعتکاف کرے اور اگر عَلَی الْاِتِّصال واجب نہ تھا تو باقی کا اعتکاف کرے۔"

(بہار شریعت، جلد 1، صفحہ 1028، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

کتبــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ: 37

عورت کا حالتِ اعتکاف میں گرمی کی وجہ سے غسل کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا عورت دورانِ اعتکاف شدید گرمی کے سبب جائے اعتکاف کے علاوہ باتھ روم میں غسل کر سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مرد اصلِ مسجد (یعنی وہ جگہ جو نماز پڑھنے کے لئے خاص کر کے وقف ہوتی ہے) سے متصل وقف جگہ جو ضرویات و مصالحِ مسجد کے لئے وقف ہوتی ہے، جسے فنائے مسجد کہا جاتا ہے، اس میں بنے ہوئے غسل خانہ میں دورانِ اعتکاف بغیر ضرورت کے بھی غسل کر سکتا ہے، فنائے مسجد میں جانے سے اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹتا، جبکہ عورت گھر میں متعیّن کردہ جگہ میں اعتکاف کرتی ہے، جو "مسجدِ بیت" کہلاتی ہے اور مسجدِ بیت میں فنا کا کوئی تصور نہیں ہوتا اس لئے عورت مسجدِ بیت سے باہر بلا ضرورت نہیں نکل سکتی، صورتِ مسئولہ میں عورت اگر فرض غسل کے علاوہ کسی غسل مثلاً گرمی کی وجہ سے ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے نکلے گی، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "فِنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے مُلحق ضروریاتِ مسجد کیلئے ہے، مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غُسل خانہ وغیرہ اِن میں

جانے سے اِعتِکاف نہیں ٹوٹے گا۔" مزید آگے فرماتے ہیں: "فنائے مسجد اس معاملہ میں حکمِ مسجد میں ہے۔"
(فتاویٰ امجدیہ، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 399، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "جب وہ مدارس متعلقِ مسجد، حدودِ مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کا امتیاز کر دیا ہے تو ان میں جانا مسجد سے باہر جانا ہی نہیں، یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا، جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کا ایک قطعہ ہے۔ وھذا ما قال الامام الطحاوی انّ حجرۃ امّ المؤمنین من المسجد، فی ردّ المحتار عن البدائع لو صعد ای: المعتکف المنارۃ لم یفسد بلا خلاف لانّھا منہ لانّہ یمنع فیھا من کلّ مایمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد یعنی یہی بات امام طحاوی نے فرمائی کہ اُمُّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد کا حصہ ہے۔

ردالمحتار میں بدائع سے ہے کہ اگر معتکف منارہ پر چڑھا تو بالاتفاق اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ منارہ مسجد کا حصہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر وہ عمل مثلاً بول وغیرہ منع ہے، جو مسجد میں منع ہے تو یہ مسجد کے دیگر گوشوں کی طرح ایک گوشہ ٹھہرا۔"
(فتاویٰ رضویہ، باب الوتر والنوافل، جلد 7، صفحہ 453، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ علاؤالدّین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "(الخروج الّا لحاجۃ الانسان) طبیعیّۃ کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال في المسجد کذافي النھر "یعنی معتکف مسجد سے نہ نکلے مگر حاجتِ طبعیہ کی وجہ سے جیسے پیشاب، پاخانہ اور احتلام ہو تو غسل کیلئے جبکہ اُسے مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسا کہ نہر میں ہے۔
(درمختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، جلد 3، صفحہ 501، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں: معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں:

ایک حاجتِ طبعی کہ مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجا، وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل، مگر غسل و وضو میں یہ شرط ہے کہ مسجد میں نہ ہو سکیں یعنی کوئی ایسی چیز نہ ہو جس میں وضو و غسل کا پانی لے سکے اس طرح کہ مسجد میں پانی کی کوئی بوند نہ گرے کہ وضو و غسل کا پانی مسجد میں گرانا، ناجائز ہے اور لگن وغیرہ موجود ہو کہ اس میں وضو اس طرح کر سکتا ہے کہ کوئی چھینٹ مسجد میں نہ گرے تو وضو کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، نکلے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا۔ یوہیں اگر مسجد میں وضو و غسل کے لیے جگہ بنی ہو یا حوض ہو تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔

دوم حاجتِ شرعی مثلاً عید یا جمعہ کے لیے جانا یا اذان کہنے کے لیے منارہ پر جانا، جبکہ منارہ پر جانے کے لیے باہر ہی سے راستہ ہو اور اگر منارہ کا راستہ اندر سے ہو تو غیرِ مؤذن بھی منارہ پر جا سکتا ہے، مؤذن کی تخصیص نہیں۔"

(بہارِ شریعت، حصہ 5، اعتکاف کا بیان، جلد 1، صفحہ 1023، 1024، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ: 38

جائے نماز میں اعتکاف کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جائے نماز میں رمضان کے آخری عشرے کا مسنون اعتکاف کروایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مَردوں کے اعتکاف کے لیے وقف مسجد کا ہونا شرط ہے، جائے نماز چونکہ مسجد نہیں ہوتی اس لئے اس میں مَردوں کا اعتکاف بھی نہیں ہو سکتا۔ احناف کے نزدیک وقف مسجد کے علاوہ صرف

عورتوں کا اعتکاف نماز کے لئے گھر میں مخصوص کی گئی جگہ جسے مسجدِ بیت کہتے ہیں اس میں ہو سکتا ہے۔ مَردوں کے اعتکاف کے لئے بہر صورت مسجد ضروری ہے ، جائے نماز میں اعتکاف ہرگز درست نہ ہو گا۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی ابو فضیل رضا عطاری

فتویٰ:39

کیا مرد حضرات گھروں میں اعتکاف کرسکتے ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا مرد حضرات گھروں میں اعتکاف کرسکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مَردوں کے اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے، مسجد کے علاوہ گھروں میں خواہ مسجدِ بیت ہو یا کوئی جائے نماز کہیں بھی مردوں کا اعتکاف نہیں ہو سکتا، گھروں میں فقط عورتوں کے لیے مسجدِ بیت (یعنی گھروں میں نماز کے لیے مخصوص جگہ) پر اعتکاف ہوتا ہے، مردوں کا نہیں۔

یاد رہے کہ رمضان شریف کے آخری دس دنوں کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر پورے شہر میں سے کسی نے بھی نہ کیا، تو سب سے اس کا مطالبہ رہے گا، اور اگر کسی ایک نے بھی کر لیا ،تو سب بری ء الذمہ ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: ” اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ “

اس آیت کے تحت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن

العرفان میں فرماتے ہیں: "مردوں کے اعتکاف کے لئے مسجد ضروری ہے۔"
(پارہ 2، سورۃ البقرۃ، آیت 187)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: " ولا اعتكاف الا في مسجد جامع "
ترجمہ: (مردوں کا) اعتکاف نہیں ہوگا، مگر جامع مسجد میں۔
(سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 333، مطبوعہ بیروت)

اس کے تحت **جامع** کی قید استحبابی ہونے سے **متعلق** مرآۃ المناجیح میں ہے: "اگر اس سے جمعہ والی مسجد مراد ہو جہاں نماز جمعہ بھی ہوتی ہو، تو **یہ حکم استحبابی ہے** کہ جمعہ والی مسجد میں اعتکاف مستحب ہے۔ (اعتکاف) **جائز تو ہر مسجد میں ہے**۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾"
(مرآۃ المناجیح، جلد 3، صفحہ 216، مطبوعہ ضیاء القرآن، لاہور)

شرح بخاری لابن بطال میں ہے: " وأجمع العلماء أن الاعتكاف لا يكون إلا فى المساجد " ترجمہ: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ (مردوں کا) اعتکاف صرف و صرف مسجد میں ہی ہوگا۔
(شرح صحیح البخاری لابن بطال، جلد 4، صفحہ 161، مطبوعہ ریاض)

بدائع الصنائع میں ہے: "اما الذى يرجع الى المعتكف فيه فالمسجد و انه شرط فى نوعى الاعتكاف الواجب و التطوع " ترجمہ: بہر حال جس جگہ اعتکاف کیا جائے، اس کی شرائط: تو اس کے لیے مسجد ہونا شرط ہے اور یہ نفلی اور واجبی دونوں طرح کے اعتکاف کے لیے شرط ہے۔
(بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، شرائط الصحۃ، جلد 2، صفحہ 280، مطبوعہ کوئٹہ)

مردوں کا اعتکاف مسجدِ بیت میں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "مساجد البيوت فإنه لا يجوز الاعتكاف فيها إلا للنساء كذا في القنية " ترجمہ: مسجدِ بیت میں عورتوں کے علاوہ کسی کا اعتکاف جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ قنیہ میں ہے۔
(الفتاوی الھندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس، جلد 5، صفحہ 321، مطبوعہ بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "**مسجد میں اللہ (عزوجل) کے لیے نیّت کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے۔۔۔ مسجد جامع ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں بلکہ مسجد جماعت میں بھی ہوسکتا ہے۔** مسجد جماعت وہ ہے جس میں امام و مؤذن مقرر ہوں، اگرچہ اس میں پنجگانہ جماعت نہ ہوتی ہو اور **آسانی اس میں ہے کہ مطلقاً ہر مسجد میں اعتکاف صحیح ہے اگرچہ وہ مسجد جماعت نہ ہو،** خصوصاً اس زمانہ میں کہ بھتیری (بہت سی) مسجدیں ایسی ہیں جن میں نہ امام ہیں نہ مؤذن۔"

(بہارِ شریعت، حصہ 5، جلد 1، صفحہ 1020، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

عورتوں کے اعتکاف سے متعلق بہارِ شریعت میں ہے: "**عورت کو مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے، بلکہ وہ گھر میں ہی اعتکاف کرے مگر اس جگہ کرے جو اُس نے نماز پڑھنے کے لیے مقرر کر رکھی ہے، جسے مسجدِ بیت کہتے ہیں اور عورت کے لیے یہ مستحب بھی ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ مقرر کر لے اور چاہیے کہ اس جگہ کو پاک صاف رکھے اور بہتر یہ کہ اس جگہ کو چبوترہ وغیرہ کی طرح بلند کر لے۔**" (بہارِ شریعت، حصہ 5، جلد 1، صفحہ 1021، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنتِ موکدہ علی الکفایہ ہونے کے متعلق درر الحکام میں ہے: "وھو واجب في المنذور **وسنة مؤكدة في العشرة الأخيرة من رمضان**" ترجمہ: منت مانی ہو، تو اعتکاف واجب ہے اور رمضان شریف کے آخری دس دنوں کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے۔

اس کے تحت سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہونے سے متعلق حاشیہ شرنبلالی میں ہے: "أي سنة كفاية للاجماع على عدم ملامة بعض أهل بلد إذا أتى به بعض منهم في العشر الأخير من رمضان كذا في البرهان" ترجمہ: یعنی سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ جب کسی شہر میں بعض لوگ رمضان شریف کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کر لیں، تو باقیوں پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ برہان میں ہے۔

(حاشیہ شرنبلالی علی درر الحکام، جلد1، صفحہ212، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

مجمع الانہر میں اس کو سنت موکدہ علی الکفایہ قرار دے کر فرمایا: "لو ترک أھل بلدۃ بأسرھم یلحقھم الإساء وإلا فلا" **ترجمہ:** اگر تمام شہر والے چھوڑدیں گے، تو ہی ان کو اساءت (یعنی سنتِ موکدہ چھوڑنے والی وعید) لاحق ہو گی، ورنہ نہیں۔

(مجمع الانہر، جلد1، صفحہ255، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں: "یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ **اگر سب ترک کریں تو سب سے مطالبہ ہو گا اور شہر میں ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ۔**"

(بہارِ شریعت، حصہ 5، جلد1، صفحہ1021، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــه
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

فتویٰ: 40

مسجد بیت کیا ہے؟ اس کی فضیلت وغیرہ سے متعلق چند احکام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ

(1) مسجدِ بیت کیا ہے اور اس کی فضیلت کیا ہے؟

(2) کیا عام مسجد کی طرح اس کی بھی فنائے مسجد ہوتی ہے اور اگر گھر میں پہلے مسجدِ بیت نہیں بنائی تھی، اب بنائی ہے، تو کیا اسے تبدیل کر سکتے ہیں؟

(3) کیا عورت مسجدِ بیت میں نفلی اعتکاف کر سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(1)گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے جو جگہ مختص کی ہو، اسے مسجدِ بیت کہتے ہیں اور اس کا بنانا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ کی نسبت اسے قدرے اونچا، پاک صاف اور خوشبودار رکھا جائے کہ مسجدِ بیت بنانے اور اسے پاک صاف رکھنے کا حکم خود نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایاہے، جو اس کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

اللہ عزوجل قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً﴾ ترجمہ کنز الایمان: "اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ کرو۔" (پارہ 11، سورۃ یونس، آیت 87)

اس آیت کے تحت تفسیرِ صراط الجنان میں ہے: "اس آیت سے پانچ باتیں معلوم ہوئیں:۔۔۔

(2)...رہنے سہنے کے گھروں میں گھریلو مسجد بنانا، جسے مسجد بیت کہا جاتا ہے، یہ ایک قدیم طریقہ ہے، لہٰذا یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان اپنے گھر کا کوئی حصہ نماز کے لئے پاک و صاف رکھیں اور اس میں عورت اِعتکاف کرے۔" (صراط الجنان، جلد 4، صفحہ 368، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

گھروں میں مسجدِ بیت بنانے سے متعلق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور وأن تنظف وتطيب" ترجمہ: نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے گھروں میں مسجدیں (یعنی مساجد البیوت) بنانے، انہیں پاک صاف اور خوشبودار رکھنے کا حکم ارشاد فرمایاہے۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب اتخاذ المساجد فی الدور، ج 1، ص 124، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس کے تحت پاک صاف رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بتنظيفها وتطييبها عن الأقذار؛ لأن لها حرمة لأجل إقامة الصلاة فيها، ولتشبهها بالمساجد المُطلقة" ترجمہ: گندی چیزوں سے پاک صاف رکھنے کا (حکم ارشاد فرمایا)، کیونکہ اس میں نماز پڑھے جانے کی وجہ سے وہ جگہ محترم اور عام (وقف شدہ) مساجد کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، جلد 2، صفحہ 359، مطبوعہ ریاض)

مراٰۃ المناجیح میں ہے: "اس سے مسجد بیت مراد ہے، یعنی گھر میں کوئی حجرہ یا گوشہ نماز کے لیے رکھا جائے جہاں کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے، اس جگہ صفائی ہو اور خوشبو کا لحاظ رکھا جائے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس پر عامل پایا، اب اس کا رواج جاتا رہا۔"

(مراٰۃ المناجیح، جلد1، صفحہ443، مطبوعہ ضیاء القرآن، لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے: "عورت کے لیے یہ مستحب بھی ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ مقرر کرلے اور چاہیے کہ اس جگہ کو پاک صاف رکھے اور بہتر یہ کہ اس جگہ کو چبوترہ وغیرہ کی طرح بلند کرلے۔ بلکہ مرد کو بھی چاہیے کہ نوافل کے لیے گھر میں کوئی جگہ مقرر کرلے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔" (بہارِ شریعت، حصہ5، جلد1، صفحہ1021، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(2) مسجدِ بیت کا حکم عام وقف شدہ مسجد کی طرح نہیں ہوتا۔ اس کو بیچنا، ہبہ کرنا وغیرہ درست ہے۔ اسی طرح ناپاک شخص بھی مسجدِ بیت میں داخل ہو سکتا ہے۔ مسجدِ بیت میں خرید و فروخت بھی بلا کراہت جائز ہے، جبکہ یہ سارے امور عام وقف شدہ مسجد میں ناجائز ہیں، لہٰذا مسجدِ بیت کو تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہدایہ میں مسجدِ بیت کا ایک حکم لکھتے ہوئے فرمایا: " ولا بأس بالبول فوق بيت فيه مسجد، والمراد ما أعد للصلاة في البيت؛ لأنه لم يأخذ حكم المسجد، وإن ندبنا إليه " ترجمہ: اس کمرے کے اوپر واش روم بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جس کے نیچے مسجد ہو۔ اس مسجد سے مراد وہ جگہ ہے کہ جو گھر میں نماز کے لیے بنائی گئی ہو، کیونکہ اس کا مستقل مسجد والا حکم نہیں ہوتا اگرچہ ہمیں اس کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے۔

اس کے تحت مسجدِ بیت کا حکم عام مسجد سے مختلف ہونے سے متعلق بنایہ میں ہے: "هو الموضع الذي يعده المصلي في بيته للصلاة (لأنه لم يأخذ حكم المسجد) **لبقائه في ملكه، حتى له أن يبيعه ويهبه ويورث عنه، فكان حكمه حكم غيره من المنزل**

المملوك وتسمیته مسجدا لا یفید حکم المساجد وإن ندبنا إلیه یعني وإن دعینا إلی اتخاذہ في البیت؛ لأنه مستحب لکل إنسان أن یعد في بیته مکانا للصلاۃ یصلي فیه النوافل والسنن ملخصاً" ترجمہ: (مسجدِ بیت) وہ جگہ ہے کہ جس کو نمازی اپنے گھر میں نماز کے پڑھنے کے لیے بناتا ہے (اور اس کا حکم مستقل مسجد والا نہیں ہے) کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں ہی باقی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ شخص اسے بیچ بھی سکتا ہے، ہبہ بھی کر سکتا ہے اور (اس کے فوت ہونے کے بعد) وہ وراثت میں تقسیم ہو گی، تو اس کا حکم اس کی ملکیت میں موجود گھر کے دوسرے حصے کی طرح ہی ہے۔ اس کا نام مسجد رکھنے سے (عام) مساجد والا حکم ثابت نہیں ہو گا اگرچہ ہمیں گھروں میں مسجدِ بیت بنانے کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے، کیونکہ ہر انسان کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں کوئی ایسی جگہ بنالے، جس میں وہ نوافل و سنن ادا کرتا رہے۔

(البنایہ شرح ھدایہ، کتاب الصلوٰۃ، احکام المسجد، ج2، ص469، 470، دار الکتب العربیہ، بیروت)

نیز قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء سے مسجدِ بیت کا ثبوت ہے، مسجدِ بیت کی فنا یعنی ضمنی متعلقہ ایریا کا نہیں، تو اسے مسجدِ بیت ہی کی حد پر محدود رکھنا ہو گا یعنی یہ مسجدِ بیت سے نکل کر واش روم یا وضو کی جگہ جائیں گے تو ضروری ہے کہ صرف بوقتِ ضرورت جائیں اور ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً آجائیں ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ یونہی مسجدِ بیت سے باہر نکل کر صرف ٹھنڈک یا راحت کے لئے یا عادت کے طور پر غسل کریں گے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(3) عورت کے حق میں اعتکاف کے معاملہ میں مسجدِ بیت کا وہی حکم ہے، جو مرد کے لیے عام وقف شدہ مسجد کا ہے اور مرد عام وقف شدہ مسجد میں نفلی اعتکاف کر سکتا ہے، لہٰذا عورت بھی مسجدِ بیت میں نفلی اعتکاف کر سکتی ہے۔

عورت کے حق میں اعتکاف کے معاملے میں مسجدِ بیت کا حکم عام مسجد والا ہی ہے جس میں نفلی اعتکاف بھی داخل ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں: "وأما

الذي يرجع إلى المعتكف فيه: فالمسجد وإنه شرط في نوعي الاعتكاف: الواجب والتطوع۔۔۔ هذه قربة خصت بالمسجد لكن مسجد بيتها له حكم المسجد في حقها في حق الاعتكاف؛ لأن له حكم المسجد في حقها في حق الصلاة ۔۔۔ وإذا كان له حكم المسجد في حقها في حق الصلاة فكذلك في حق الاعتكاف؛ لأن كل واحد منهما في اختصاصه بالمسجد سواء وليس لها أن تعتكف في بيتها في غير مسجد وهو الموضع المعد للصلاة ملخصاً " ترجمہ: اور بہر حال جس شرط کا اعتکاف کی جگہ کے ساتھ تعلق ہے، تو وہ اس جگہ کا مسجد ہونا ہے اور یہ واجب اور نفلی دونوں اعتکاف میں شرط ہے۔۔۔ اعتکاف ایسی عبادت ہے جو مسجد کے ساتھ خاص ہے، لیکن عورت کے حق میں اعتکاف کے معاملہ میں مسجدِ بیت کا وہی حکم ہے، جو (مرد کے حق میں عام وقف شدہ) مسجد کا ہوتا ہے، کیونکہ نماز کے معاملے میں عورت کے حق میں مسجدِ بیت کا (عام وقف شدہ) مسجد والا ہی حکم ہے، تو جب نماز کے معاملے میں عام مسجد والا حکم ہے، تو اعتکاف کے معاملے میں بھی اسی طرح ہی ہوگا، کیونکہ مسجد کے ساتھ خاص ہونے کے معاملے میں یہ دونوں برابر ہیں اور عورت کے لیے اپنے گھر میں مسجدِ بیت کے علاوہ کسی اور جگہ اعتکاف جائز نہیں۔

(بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، جلد 2، صفحہ 280 تا 282، مطبوعہ کوئٹہ)

نوٹ: مسجدِ بیت میں صرف عورتیں ہی اعتکاف کر سکتی ہیں، مردوں کا اعتکاف مسجدِ بیت میں نہیں ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "مساجد البيوت فإنه لا يجوز الاعتكاف فيها إلا للنساء كذا في القنية "ترجمہ: مسجدِ بیت میں عورتوں کے علاوہ کسی کا اعتکاف جائز نہیں۔ جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (الفتاوی الھندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس، ج 5، ص 321، مطبوعہ بیروت)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:41

کیا عورت مسجد بیت میں نفلی اعتکاف کر سکتی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک کی برکات پانے کے لئے عورت اپنی مسجد بیت میں نفلی اعتکاف کر سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

رمضان المبارک میں اوراس ماہِ مبارک کے علاوہ میں بھی عورت اپنی مسجد بیت میں نفلی اعتکاف کر سکتی ہے۔ چنانچہ طحطاوی علی المراقی میں ہے:" و للمراۃ الاعتکاف فی مسجد بیتھا و لا تخرج منہ اذا اعتکف فلو خرجت لغیر عذر یفسد واجبہ و ینتھی نفلہ" عورت کے لئے اپنی مسجدِ بیت میں اعتکاف ہے۔ جب وہ اعتکاف کر لے تو اس سے نہیں نکلے گی اگر بلا عذر نکلی تو اس کا واجب اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور نفلی اعتکاف منتہی (مکمل) ہو جائے گا۔

(طحطاوی علی المراقی، صفحہ 699، مطبوعہ کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ
ابو سعید محمد نوید رضا عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

صدقہ فطر و عید

فتویٰ:42

کیا صدقہ ٔفطر عید سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا صدقہ فطر عید سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صدقہ فطر عید سے پہلے بلکہ رمضان سے بھی پہلے ادا کیا جاسکتا ہے۔

محیط برہانی میں ہے:"یجوز تعجیلھا قبل یوم الفطر بیوم او یومین فی روایۃ الکرخی وعن ابی حنیفۃ لسنۃ او سنتین"ترجمہ: امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ ٔفطر کو عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کرنا، جائز ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک یا دو سال پہلے ادا کرنا، جائز ہے۔ (محیط برھانی، جلد2، صفحہ589، مطبوعہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"فطرہ کا مقدم کرنا مطلقاً جائز ہے جب کہ وہ شخص موجود ہو جس کی طرف سے ادا کرتا ہو، اگرچہ رمضان سے پیشتر ادا کردے اور اگر فطرہ ادا کرتے وقت مالک نصاب نہ تھا، پھر ہو گیا تو فطرہ صحیح ہے اور بہتر یہ ہے کہ عید کی صبح صادق ہونے کے بعد اور عید گاہ جانے سے پہلے ادا کردے۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ939،940، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

فتوی:43

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں اصل دینے والے کی جگہ کا اعتبار ہو گا یا وکیل کی جگہ کا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں کس کا اعتبار ہے، جس کے ذمہ لازم ہے، اس کا اعتبار ہے یا کسی اور کا مثلاً ایک پاکستانی عارضی طور پر یوکے میں رہتا ہے، اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، وہ پاکستان میں کسی کو وکیل بناتا ہے کہ میری اور میرے بیوی، بچوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کر دو، بچے سب اس کے عیال میں ہیں، کچھ عاقل بالغ ہیں اور کچھ نابالغ۔ بالغ اولاد اور بیوی تو صاحب نصاب ہیں، لیکن نابالغ صاحب نصاب نہیں، تو اس صورت میں یوکے میں صدقہ فطر کی جتنی رقم بنتی ہے، اس کا اعتبار ہو گا یا پاکستان میں جتنی رقم بنتی ہے، اس کا اعتبار ہو گا؟ اسی طرح اگر یہ یوکے میں خود ادا کرتا ہے، تو کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہو گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صدقہ فطر کی ادائیگی میں اس کا اعتبار ہے، جس پر صدقہ فطر ادا کرنا لازم ہے۔ پس صورت مسئولہ میں عارضی طور پر یوکے میں رہنے والے پاکستانی کے اپنے صدقہ فطر اور اس کے نابالغ بچوں کے صدقہ فطر میں یوکے کی قیمت کا اعتبار ہے اور اس کی بیوی اور بالغ بچوں کے صدقہ فطر میں پاکستان کی قیمت کا اعتبار ہے، خواہ خود یوکے میں ادا کرے یا پاکستان وغیرہ کسی دوسرے ملک میں رہنے والے کو اپنا وکیل بنائے، کیونکہ نابالغ بچے جو مالک نصاب نہیں، ان کا صدقہ فطر خود اسی پر لازم ہے، تو نابالغ بچوں اور اس کے صدقہ فطر میں یوکے کا اعتبار ہو گا اور بیوی اور عاقل بالغ بچوں کا صدقہ فطر خود ان کے اپنے اوپر لازم ہے، اگرچہ بیوی اور عیال میں شامل بچوں کی طرف سے عادۃً اذن ہونے کی وجہ سے ان کا صدقہ فطر بغیر اجازت بھی ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر وہ پاکستان میں ہیں، تو ان کے

صدقہ فطر میں پاکستان کا اعتبار ہو گا۔

ہدایہ میں ہے:"وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحي بها كما طلع الفجر، لأنها تشبه الزكاة من حيث أنها تسقط بهلاك المال قبل مضي أيام النحر كالزكاة بهلاك النصاب فيعتبر في الصرف مكان المحل لا مكان الفاعل اعتبارا بها، بخلاف صدقة الفطر لأنها لا تسقط بهلاك المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر"ترجمہ:اور شہری کا حیلہ کہ جب وہ قربانی جلدی کرنا چاہے، یہ ہے کہ وہ قربانی والے جانور کو شہر سے باہر بھیج دے، تو اسے فجر طلوع ہوتے ہی ذبح کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ زکوۃ کے مشابہ ہے، اس اعتبار سے کہ ایام نحر سے پہلے مال کے ہلاک ہونے سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے نصاب کے ہلاک ہونے سے، پس ادائیگی میں محل کے مکان کا اعتبار ہو گا، نہ کہ فاعل کے مکان کا زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے، بر خلاف صدقہ فطر کے، کیونکہ یوم عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے سے یہ ساقط نہیں ہوتا۔

(الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، اخیرین، صفحہ 446، مطبوعہ لاہور)

اس کے تحت بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:"(بخلاف صدقة الفطر) حيث يعتبر فيها مكان الفاعل وهو المؤدي (لأنها لا تسقط بهلاك المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر) فحينئذ يعتبر مكان صاحب الذمة وهو المؤدي"ترجمہ: بر خلاف صدقہ فطر کے کہ اس میں فاعل کے مکان کا اعتبار ہے اور فاعل سے مراد ادا کرنے والا ہے، کیونکہ یوم عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے سے یہ ساقط نہیں ہوتا، پس اب جس کے ذمہ صدقہ فطر لازم ہے، اس کے مکان کا اعتبار ہو گا اور وہ ہے ادا کرنے والا۔

(البنایۃ شرح الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، جلد 11، صفحہ 27-28، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے:"وفي صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده في الصحيح كذا في التبيين. وعليه الفتوى كذا في المضمرات"ترجمہ: اور صدقہ

فطر میں جس کے ذمہ لازم ہے ،اس کے مکان کا اعتبار ہوگا،نہ کہ اس کی نابالغ اولاد اوراس کے غلاموں کے مکان کا صحیح قول کے مطابق،اسی طرح تبیین میں ہے اوراسی پر فتوی ہے،اسی طرح مضمرات میں ہے۔

(فتاوی ھندیہ، کتاب الزکاۃ،الباب السابع فی المصارف،ج01،ص190،مطبوعہ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:"عن نفسہ۔۔وطفلہ الفقیر۔۔۔۔لاعن زوجتہ وولدہ الکبیر العاقل ولوادی عنھما بلا اذن اجزا استحسانا للاذن عادۃ ای لو فی عیالہ و الا فلا" ترجمہ: صاحب نصاب آزاد مسلمان پر اپنی طرف سے اوراپنے غیر مالک نصاب چھوٹے بچے کی طرف سے صدقہ فطرواجب ہوتا ہے نہ کہ اپنی بیوی کی طرف سے اوراپنی عاقل بالغ اولاد کی طرف سے اوراگران کی طرف سے بغیر اجازت کے اس نے ادا کردیا،تواستحسانا کفایت کر جائے گا کہ عادۃ اجازت ہوتی ہے یعنی اگر اولاد اس کے عیال میں ہو ورنہ نہیں۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ،باب صدقۃ الفطر،ج03،ص367-68-70،مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:"مرد مالکِ نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچہ کی طرف سے واجب ہے،جبکہ بچہ خود مالکِ نصاب نہ ہو۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ937، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بہار شریعت میں ہے:"اپنی عورت اور اولاد عاقل بالغ کا فطرہ اُس کے ذمہ نہیں اگرچہ اپاہج ہو، اگرچہ اس کے نفقات اس کے ذمہ ہوں۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ938، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بہار شریعت میں ہے:"عورت یا بالغ اولاد کا فطرہ ان کے بغیر اِذن ادا کر دیا تو ادا ہو گیا،بشرطیکہ اولاد اس کے عیال میں ہو یعنی اس کا نفقہ وغیرہ اُس کے ذمہ ہو۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ938، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوی فیض الرسول میں سوال ہوا: "زید بمبئی میں ہے اور اس کے بچے وطن میں ہیں، تو ان کے صدقہ فطر کے گیہوں کی قیمت وطن کے بھاؤ سے ادا کرے یا بمبئی کے بھاؤ سے؟ اور زیورات جن کا وہ مالک ہے وہ وطن میں ہیں تو زکوۃ کی ادائیگی میں کہاں کا اعتبار ہے؟"

اس کے جواب میں فرمایا: "بچے اور زیورات جب کہ وطن میں ہیں، تو صدقہ فطر کے گیہوں میں بمبئی کی قیمت کا اعتبار کرنا ہو گا اور زیورات میں وطن کی قیمت کا، لانہ یعتبر فی صدقة الفطر مکان المودی وفی الزکوة مکان المال، هکذا قال صاحب الهدایة فی کتاب الاضحیة۔"

(فتاوی فیض الرسول، جلد 1، صفحہ 511، شبیر برادرز، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــــہ
مفتی محمد ہاشم خان عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد عرفان مدنی عطاری

فتویٰ: 44

جو عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، کیا وہ بھی صدقہ فطر دے گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی شخص رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تو کیا اس پر بھی صدقہ فطرہ لازم ہو گا یا نہیں؟ جبکہ وہ شخص صاحب استطاعت بھی ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب اللهم هدایة الحق والصواب

جی ہاں! ایسے شخص پر بھی صدقہ فطر لازم ہو گا، کیونکہ رمضان کے روزے رکھنا صدقہ فطر کے واجب ہونے کے لئے ضروری نہیں اور اگر کسی نے معاذ اللہ! قصداً جان بوجھ کر بھی روزے نہ رکھے ہوں، تو بھی صدقہ فطر اس پر لازم رہے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:"وکذلک وجود الصوم في شهر رمضان لیس بشرط لوجوب الفطرة حتی ان من افطر لکبر او مرض او سفر یلزمه صدقة الفطر"یعنی اسی طرح رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا، صدقہ فطر کے واجب ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، یہاں تک کسی نے بڑھاپے یا مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہو گا۔

(بدائع الصنائع، جلد2، صفحہ199، مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں"تجب الفطرة وان افطر عامدا " یعنی اگر کوئی جان بوجھ کر بھی روزہ نہ رکھے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

(ردالمحتار، جلد3، صفحہ367، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں، اگر کسی عذر، سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ! بلا عذر روزہ نہ رکھا جب بھی واجب ہے۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ936، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبــــــــــه
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

فتویٰ:45

روزہ و عید چاند کے حساب سے یا کلینڈر کے حساب سے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا

(1) چاند دیکھے بغیر کلینڈر کے ذریعے روزہ و عید وغیرہ کر سکتے ہیں؟

(2) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کلینڈر کے مطابق مہینا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس دن چاند نظر نہیں آتا اور دوسرے دن جب نظر آتا ہے، تو دِکھنے میں بھی دوسرے دن کا لگتا ہے، تو کلینڈر کے

مطابق اس چاند کو دوسرے دن کا شمار کریں گے یا پہلے دن کا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

(1) شریعت مطہرہ میں روزہ و عید وغیرہ کے معاملات کا مدار چاند کی رؤیت (دیکھنے) پر ہے کہ جب تک چاند نظر نہیں آئے گا، روزہ و عید وغیرہ نہیں ہوں گے، کیونکہ اس کے لیے احادیثِ صحیحہ میں "رؤیت (آنکھ سے دیکھنے)" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک اسے حقیقی طور پر دیکھنا ہی مراد لیا گیا ہے اور اسی پر عمل ہے، لہذا جب تک باقاعدہ چاند نہ دیکھ لیا جائے یا اس کا شرعی طور پر ثبوت نہ ہو جائے اس وقت تک قمری مہینا شروع نہیں ہوگا اگرچہ کلینڈر کے مطابق شروع ہو چکا ہو، کیونکہ ہم قرآن و حدیث کے مکلّف ہیں، ماہرین فلکیات وغیرہ کی رائے کے پابند نہیں، لہذا عبادات کے معاملات یعنی رمضان، عید وغیرہ یہ سب کلینڈر کے اعتبار سے نہیں ہوں گے بلکہ حقیقتاً رؤیت ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

روزہ و عید وغیرہ چاند دیکھ کر ہی کرنے سے متعلق حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "لا تصوموا حتی تروا الھلال و لا تفطروا حتی تروہ" ترجمہ: چاند دیکھے بغیر رمضان کے روزے شروع نہ کرو اور چاند دیکھے بغیر ختم نہ کرو۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب إذا رأیتم الھلال فصوموا الخ، ج 3، ص 27، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

بلکہ اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ بھی آئے، تو بھی محض تخمینے وغیرہ لگا کر روزہ و عید کرنے کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ پھر اس مہینے کے تیس دن مکمل کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فان غم علیکم فأکملوا العدۃ ثلاثین یوما" ترجمہ: اگر چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

(سنن دار قطنی، کتاب الصوم، باب الصوم لرؤیۃ الھلال، جلد 2، صفحہ 7، دار الکتاب العربی، بیروت)

چاند دیکھ کر ہی روزہ وعید وغیرہ کرنے سے متعلق فقہِ حنفی کی مشہور کتاب الاختیار میں ہے:”(ویجب أن یلتمس الناس الهلال في التاسع والعشرين من شعبان وقت الغروب فإن رأوه صاموا، وإن غمّ عليهم أكملوه ثلاثين يوما) لقوله عليه الصلاة والسلام : " صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته ، فإن غمّ عليكم فعدوا شعبان ثلاثين يوما “یعنی: 29 شعبان کو مغرب کے وقت چاند تلاش کرنا لازم ہے، لہٰذا اگر چاند دیکھ لیں، تو روزہ رکھیں اور اگر مطلع ابر آلود ہو، تو اس مہینے کے تیس دن مکمل کریں، کیونکہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالیشان ہے: ”چاند دیکھ کر ہی روزے رکھو اور چاند دیکھ کر ہی ختم کرو، اگر مطلع ابر آلود ہو، تو شعبان کے 30 دن مکمل کرو۔“ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصوم، جلد1، صفحہ 128، مطبوعہ بیروت)

(2) جس دن چاند نظر آئے، اُسی دن کا ہی اعتبار کریں گے، اگرچہ بظاہر دِکھنے میں دو دن کا ہی معلوم کیوں نہ ہوتا ہو، کیونکہ شریعت نے حکم دیکھنے کا فرمایا ہے لہذا جب دیکھا، اسی دن کا شمار کریں گے اور صحابہ کرام رحمہم اللہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:”عن أبي البختري قال خرجنا للعمرة فلما نزلنا ببطن نخلة قال تراءينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلاث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين قال فلقينا ابن عباس فقلنا إنا رأينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلاث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين فقال أي ليلة رأيتموه قال فقلنا ليلة كذا و كذا فقال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إن الله مده للرؤية فهو لليلة رأيتموه “ ترجمہ: ابو البختری سے روایت ہے، کہتے ہیں ہم عمرہ کے لیے گئے، جب بطن نخلہ میں پہنچے تو چاند دیکھ کر کسی نے کہا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دو رات کا ہے۔ تو ہم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملے اور ان سے واقعہ بیان کیا، فرمایا: تم نے دیکھا کس رات میں تھا؟ ہم نے کہا: فلاں رات میں، تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی مدت دیکھنے سے مقرر فرمائی ہے، لہٰذا اس

رات کا قرار دیا جائے گا جس رات کو تم نے اسے دیکھا تھا۔

(الصحیح لمسلم، کتاب الصوم، باب بیان انہ لا اعتبار بکبر الھلال، ج 3، ص 127، مطبوعہ بیروت)

امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں چاند دیکھنے کی غلطیوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں: " قیاسات و قرائن: مثلاً چاند بڑا تھا (یا) روشن تھا (یا) دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا۔ آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے۔ اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہو گا۔ اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ 29 کا ہو گا۔ یہ قیاسات تو حسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل و زلل۔ حدیث میں ہے، حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ (یعنی) قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پھولے ہوئے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 428، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ: 46

جمعہ اور عید ایک ہی دن آجائیں تو

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا جمعہ اور عید کا جمع ہونا بھاری یا منحوس ہے؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں کبھی ایسا ہوا کہ جمعہ اور عید دونوں جمع ہوئے ہوں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جمعہ اور عید کا جمع ہونا بھاری یا منحوس نہیں، بلکہ باعثِ خیر وبرکت ہے کہ ایک دن میں دو عیدیں اوردو عبادتیں نصیب ہوئیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ادوارِ مبارک میں بھی کئی بار ایسا ہوا کہ جمعہ و عید ایک دن میں اکٹھے ہوئے مگر اسے بھاری یا منحوس سمجھنا کسی سے منقول نہیں، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ دونوں کا جمع ہونا خیر وبرکت ہی کا ذریعہ ہے اوردونوں کے جمع ہونے کو بھاری یا منحوس سمجھنا بدشگونی لیناہے جو کہ جائز نہیں۔

حدیث میں جمعہ کے دن عید ہونے کو مسلمانوں کے واسطے خیر قرار دیا گیا، چنانچہ مُصَنَّف عبدُالرّزاق میں ہے، ترجمہ: ذَکوان سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں عیدُالفطر یا عیدُالاضحیٰ جمعہ کے دن ہوئی، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم تشریف لائے اور فرمایا: بے شک تم نے ذِکر اور بھلائی کو پایا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 176، حدیث: 5745)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

فتویٰ: 47

عید کی نماز میں مقتدی کی کچھ تکبیریں رہ جائیں، تو نماز کیسے ادا کرے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز عید کی پہلی رکعت کی زائد تکبیروں میں سے ایک یا دو تکبیروں کے بعد شامل ہو، تو وہ شخص یہ تکبیریں کب کہے گا؟ اوراگر اس کی تینوں تکبیریں رہ جائیں اور امام صاحب نے قراءت شروع کر دی ہو یا امام صاحب کے رکوع میں جانے کے بعد شامل ہو، تو زائد تکبیریں کب کہے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر کوئی شخص نمازِ عید میں اس وقت شامل ہو، جب امام صاحب پہلی رکعت کی ایک، دو یا تینوں تکبیریں کہہ چکے ہوں، تو یہ شخص نماز شروع کرنے کے بعد پہلے اپنی رہ جانے والی زائد تکبیرات کہے گا، اگرچہ امام نے قراءت شروع کردی ہو، تکبیرات کہنے کے بعد پھر امام کی پیروی کرے گا، یعنی پھر خاموش ہو کر قراءت سنے گا۔

اگر امام صاحب کے رکوع میں جانے کے بعد شامل ہوا اور اسے ظن غالب ہے کہ وہ قیام کی حالت میں زائد تکبیرات کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں مل جائے گا، تو قیام کی حالت میں تکبیریں کہے، پھر رکوع میں شامل ہو جائے اور اگر اسے ظن غالب ہو کہ زائد تکبیریں کہنے سے پہلے امام رکوع سے کھڑا ہو جائے گا، تو قیام کی حالت میں تکبیریں نہ کہے، بلکہ رکوع میں جا کر بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیریں کہے، پھر اگر امام تکبیرات عید مکمل کرنے سے پہلے رکوع سے کھڑا ہو جائے، تو اب امام کی پیروی کرتا ہوا رکوع سے کھڑا ہو جائے، جو تکبیریں رہ گئیں، وہ ساقط ہو جائیں گی۔

درمختار میں ہے: ”ولو ادرک المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبر، کبر فی الحال برأی نفسہ لانہ مسبوق “یعنی اگر مقتدی نے امام کو قیام میں تکبیر کہنے کے بعد پایا تو وہ فوراً اپنی رائے کے مطابق تکبیر کہے گا کیونکہ یہ مسبوق ہے۔

مذکورہ عبارت کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ”وان کان الامام شرع فی القرأۃ کما فی الحلیۃ “یعنی مقتدی نماز میں شامل ہوتے ہی اپنی تکبیریں کہے گا، اگرچہ امام نے قراءت شروع کردی ہو، جیسا کہ حلیہ میں ہے۔

مزید اسی میں فرماتے ہیں: ”أما لو أدرکہ راکعا فإن غلب ظنہ إدراکہ في الرکوع کبر قائما برأي نفسہ ثم رکع، وإلا رکع وکبر في رکوعہ خلافا لأبي یوسف ولا یرفع یدیہ لأن الوضع علی الرکبتین سنۃ في محلہ، والرفع لا في محلہ وإن رفع الإمام رأسہ سقط عنہ ما بقي من التکبیر لئلا تفوتہ المتابعۃ ولو أدرکہ في قیام الرکوع لا یقضیھا

فیہ لأنہ یقضي الرکعة مع تکبیراتھا فتح وبدائع "یعنی: اگر اس نے امام کو رکوع میں پایا اور اسے ظن غالب ہے کہ وہ امام کو رکوع میں پالے گا تو حالت قیام میں اپنی رائے کے مطابق تکبیرات عید کہے، ورنہ رکوع کرے اور رکوع میں تکبیریں کہے، بخلاف امام ابو یوسف کے اور رکوع میں تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ بلند نہیں کرے گا، کیونکہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا سنت ہے، ہاتھ بلند کرنے کا یہ محل نہیں ہے اور اگر امام رکوع سے اٹھ جائے، تو باقی تکبیرت ساقط ہو جائیں گی، تاکہ امام کی متابعت فوت نہ ہو اور اگر اس نے امام کو رکوع سے اٹھنے کے بعد پایا تو اب تکبیریں نہیں کہے گا، کیونکہ (بعد میں) وہ تکبیرات سمیت اس رکعت کی قضا کرے گا۔

(درمختار مع ردالمحتار، جلد3، صفحہ64، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ولو انتھی رجل إلی الإمام في الرکوع في العیدین فإنہ یکبر للافتتاح قائما فإن أمکنہ أن یأتي بالتکبیرات ویدرک الرکوع فعل ویکبر علی رأي نفسہ وإن لم یمکنہ رکع واشتغل بالتکبیرات عند أبي حنیفة ومحمد رحمھما اللہ تعالی ھکذا في السراج الوھاج، ولا یرفع یدیہ إذا أتی بتکبیرات العید في الرکوع، کذا في الکافي، ولو رفع الإمام رأسہ بعد ما أدی بعض التکبیرات فإنہ یرفع رأسہ ویتابع الإمام وتسقط عنہ التکبیرات الباقیة، کذا في السراج الوھاج، ولو أدرکہ في القومة لا یقضي فیھا؛ لأنہ یقضي الرکعة الأولی مع التکبیرات "یعنی: اگر کسی نے امام کو عیدین کے رکوع میں پایا تو تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، پھر اگر ممکن ہو تو کھڑے ہونے کی حالت میں ہی تکبیرات کہہ لے گا اور رکوع میں شامل ہو جائے گا تو ایسا ہی کرے اور تکبیرات اپنی رائے کے مطابق کہے اور اگر ممکن نہ ہو تو وہ رکوع میں جائے اور تکبیرات کہے امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک، اسی طرح السراج الوھاج میں ہے اور جب وہ رکوع میں تکبیر کہے گا تو اپنے ہاتھوں کو بلند نہیں کرے گا، اسی طرح کافی میں ہے اور اگر مقتدی کے کچھ تکبیریں پڑھنے کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا، تو یہ بھی سر اٹھالے اور امام کی پیروی کرے، باقی تکبیرات ساقط ہو جائیں گی، اسی

طرح السراج الوھاج میں ہے اور اگر اس نے امام کو قومہ میں پایا تو اب وہ تکبیرات نہ کہے، کیونکہ (بعد میں) وہ تکبیرات سمیت اس رکعت کی قضا کرے گا۔

(فتاوی عالمگیری، جلد1، صفحہ151، مطبوعہ پشاور)

مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: "پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا، تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام نے قراءت شروع کر دی ہو اور تین ہی کہے، اگرچہ امام نے تین سے زیادہ کہی ہوں، اور اس نے تکبیریں نہ کہی کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے نہ کہے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیر کہہ لے اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیریں کہہ کر امام کو رکوع میں پالے گا، تو کھڑے کھڑے تکبیریں کہے پھر رکوع میں جائے، ورنہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیریں کہے، پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیریں پوری نہ کی تھیں کہ امام نے سر اٹھا لیا تو باقی ساقط ہو گئیں۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ782، حصہ ب، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتوی:48

نمازِ عید کی پہلی رکعت فوت ہو جائے تو مسبوق اپنی بقیہ رکعت میں تکبیریں کب کہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر نمازِ عید کی پہلی رکعت فوت ہو جائے تو مسبوق اپنی بقیہ رکعت میں تکبیریں کہاں کہے قراءت سے پہلے یا قراءت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسبوق عید کی نماز میں جب اپنی فوت شدہ رکعت پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو وہ پہلے قراءت کرے پھر تکبیرات کہے یہی راجح ہے، لیکن اگر کسی نے پہلے تکبیرات کہہ کر پھر قراءت کی تو یہ ناجائز نہیں، نماز ہو جائے گی۔

فتح القدیر میں ہے" ولو سبق بركعة ورأى رأي ابن مسعود رضي الله عنه يقرأ أولا فيما يقضي ثم يكبر تكبيرات العيد وفي النوادر يكبر أولا ، لأن ما يقضيه المسبوق أول صلاته في حق الأذكار إجماعا. وجه الظاهر أن البداءة بالتكبير يؤدي إلى الموالاة بين التكبيرات، وهو خلاف الإجماع، ولو بدأ بالقراءة يكون موافقا لعلي رضي الله عنه ؛ لأنه بدأ بالقراءة فيهما" ترجمہ: اگر کسی کی ایک رکعت فوت ہو گئی اور اس کا مذہب سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا ہے **تو وہ فوت شدہ رکعت کو قضا کرنے میں ابتداً قراءت کرے اور پھر عید کی تکبیرات کہے۔** اور نوادر میں ہے کہ پہلے تکبیرات کہے گا کیونکہ مسبوق کی جو نماز قضا ہوئی وہ بالاجماع اذکار کے اعتبار سے اس کی نماز کا پہلا حصہ ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ تکبیرات سے ابتدا کرنا، تکبیرات کو پے در پے کہنے کی طرف لے جاتا ہے اور یہ خلافِ اجماع ہے اور اگر وہ قراءت سے ابتدا کرے تو یہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے موافقت ہے کہ انہوں نے دونوں رکعتوں میں قراءت سے ابتدا کی۔

(فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ العیدین، جلد 2، صفحہ 76، مطبوعہ کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے" المسبوق بركعة إذا قام إلى القضاء فإنه يقرأ ثم يكبر؛ لأنه لو بدأ بالتكبير يصير مواليا بين التكبيرات، ولم يقل به أحد من الصحابة، ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقا لقول علي فكان أولى كذا في المحيط" ترجمہ: **مسبوق جس کی ایک رکعت فوت ہو گئی، جب وہ اپنی فوت شدہ کی قضا کے لیے کھڑا ہو گا تو پہلے قراءت کرے گا پھر تکبیرات کہے گا،** اس لیے کہ اگر اس نے تکبیرات سے ابتدا کی تو وہ (امام کے ساتھ پڑھی دوسری اور اب اپنی قضا

میں پڑھی گئی) تکبیرات کو پے در پے کہنے والا ہو جائے گا اور یہ بات کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ اگر وہ قراءت سے شروع کرے گا تو اس کا یہ فعل حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہو جائے اور یہ عمل اولیٰ ہے، اسی طرح محیط میں ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد2، صفحہ282، مطبوعہ کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے "(قوله لئلا يتوالى التكبير) أي لأنه إذا كبر قبل القراءة وقد كبر مع الإمام بعد القراءة لزم توالي التكبيرات في الركعتين قال في البحر ولم يقل به أحد من الصحابة ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقا لقول علي رضي الله عنه فكان أولى كذا في المحيط وهو مخصص لقولهم: إن المسبوق يقضي أول صلاته في حق الأذكار" ترجمہ (صاحب درمختار کا) قول کہ اس طرح مسلسل تکبیرات کا ہونا پایا جائے گا یعنی اگر وہ قبل از قراءت تکبیرات پڑھتا ہے اور امام کے ساتھ قراءت کے بعد بھی اس نے تکبیرات پڑھی ہیں تو اس صورت میں دونوں رکعتوں میں مسلسل تکبیرات پڑھنا پایا گیا۔ بحر میں فرمایا کہ یہ عمل کسی صحابی نے نہیں فرمایا اور **اگر مسبوق قراءت سے ابتدا کرتا ہے تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موافقت ہو جائے گی اور یہ اولیٰ ہے** جیسا کہ محیط میں ہے، تو یہ حکم فقہاء کے اس قول کہ "مسبوق پہلے اذکار والی نماز پڑھے گا" کو خاص کرنے والا ہو جائے گا۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، جلد3، صفحہ64، مطبوعہ کوئٹہ)

مراقی الفلاح میں ہے: "(فإن قدم التكبيرات) في الركعة الثانية (على القراءة جاز) لأن الخلاف في الأولوية لا الجواز وعدمه" ترجمہ: اگر دوسری رکعت میں تکبیرات کو قراءت پر مقدم کیا تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ **اس مسئلہ میں اختلاف اولویت میں ہے نہ کہ جواز و عدم جواز ہونے میں۔**

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب احکام العیدین، صفحہ273، المکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوی امجدیہ میں اسی طرح کے سوال کے جواب میں مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی

فرماتے ہیں:"نماز عیدین میں جسکی پہلی رکعت جاتی رہی وہ جب اس کو ادا کرے **تو بہتر یہی ہے کہ پہلے قرأت کرے بعد میں تکبیرات کہے،** کلیہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے تکبیر کہی جائے۔ پہلی رکعت میں تکبیرات کا تقدم اس وجہ سے تھا کہ تکبیر تحریمہ سے اسکا الحاق بہ نسبت تکبیر رکوع کے اولٰی تھا۔ بحر الرائق میں ہے "فی الرکعۃ الاولی تخللت الزوائد بین تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرۃالرکوع فوجب الضم الی احدھما والضم الی تکبیرۃ الافتتاح اولی لانھاسابقۃ وفی الرکعۃالثانیۃ الاصل فیہ تکبیرۃالرکوع لا غیرہ فوجب الضم الیھا ضرورۃً کذافی المحیط" اس عبارت سے بھی یہی ثابت کہ بعد میں کہے کیونکہ مسبوق کی اس رکعت میں تکبیر افتتاح ہی نہیں دراصل اس رکعت میں تکبیر رکوع ہے لہذا اسی کے ساتھ ضم کی جائے۔ جب قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ قرأت کے بعد کہی جائیں تو اس کے ترک کے لیے صحابہ کرام کا قول یا فعل درکار تھا اور جب یہ موجود نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا قول قیاس ہی کا مؤید ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور علامہ شامی اور ائمہ کی عبارت کا مطلب واضح ہو گیا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں رکعتوں کی قراءت میں موالات مندوب ہے عامۂ متون میں ہے "ویوالی بین القرأتین اور موالات بین التکبرات وھوخلاف الاجماع" اسی وجہ سے صاحب درمختار نے قراءت کو مقدم کرنے کی یہی وجہ لکھی۔"

(فتاوی امجدیہ، جلد1، صفحہ179 مکتبہ رضویہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــہ

مفتی ابو الحسن محمد ہاشم خان عطاری

فتوی:49

عید والے دن نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ سنا ہے کہ نماز عید سے قبل

مطلقاً کسی بھی جگہ اور نماز عید کے بعد عید گاہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس سے مراد کون سی کراہت ہے؟ تحریمی یا تنزیہی؟ اگر کسی نے نفل نماز ادا کرلی تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید سے پہلے مطلقاً ہر جگہ گھر ہو یا عید گاہ نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے حتی کہ یہ ممانعت عورتوں کے لئے بھی ہے کہ وہ بھی عید سے پہلے نفل نماز نہیں پڑھ سکتیں، البتہ نماز عید کے بعد کراہت صرف عید گاہ میں نفل نماز پڑھنے میں ہے جبکہ گھر میں نفل نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ القوی بہار شریعت میں ارشاد فرماتے ہیں "نمازِ عید سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے، عید گاہ میں ہو یا گھر میں۔ اس پر عید کی نماز واجب ہو یا نہیں۔ یہاں تک کہ عورت اگر چاشت کی نماز گھر میں پڑھنا چاہے تو نماز ہو جانے کے بعد پڑھے اور نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں پڑھ سکتا ہے بلکہ مستحب ہے کہ چار رکعتیں پڑھے۔ یہ احکام خواص کے ہیں، عوام اگر نفل پڑھیں اگرچہ نماز عید سے پہلے اگرچہ عید گاہ میں انھیں منع نہ کیا جائے۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ781، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ظاہر یہ ہے کہ یہاں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ جیسا کہ در مختار میں حضرت مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا نماز عید کے بعد عید گاہ میں کسی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر منع نہ فرمانا مذکور ہے۔ اس کے تحت علامہ شامی قدس سرہ السامی ارشاد فرماتے ہیں "وظاھر ھذا الاثر تقرر الکراھۃ عندھم فی المصلی وانھا تنزیھیۃ

والا لما أقره اذ لا یجوز الاقرار علی المنکر" یعنی اس حدیث واثر کا ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک عید گاہ میں کراہت ثابت ہے اور یہ بھی کہ یہاں کراہت تنزیہی درجے میں ہے ورنہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس عمل کو دیکھ کر اسے برقرار نہ رکھتے اس لئے کہ کسی ناجائز عمل کو برقرار رکھنا جائز نہیں۔ (درمختار معہ ردالمحتار، جلد 3 صفحہ 60، مطبوعہ کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

کتبـــه
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الحسن جمیل احمد غوری عطاری

فتویٰ:50

بچوں کی عیدی سے دوسرے بچوں کو عیدی دینا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ عیدُ الفطر کے موقع پر والدین کی طرف سے چھوٹے بچوں کو عیدی دی جاتی ہے، اسی طرح سے بچے جب کسی رشتہ دار کے گھر جاتے ہیں تو وہاں سے بھی نابالغ بچوں کو عیدی ملتی ہے اور پھر ان رشتے داروں کے بچے جب ان ہی کے گھر آتے ہیں تو والدین بچوں کو ملی ہوئی عیدی میں سے رشتے داروں کے بچوں کو عیدی دے دیتے ہیں۔ کیا بچوں کی عیدی میں سے رشتے داروں کے بچوں کو عیدی دے سکتے ہیں یا نہیں اور والدین اسے اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز عیدی اور بچوں کی سالگرہ پر جو لفافے وتحائف وغیرہ ملتے ہیں وہ کس کی ملک ہوں گے بچوں کی یا والدین کی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ہدایۃ الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں بچوں کو جو عیدی ملتی ہے وہ بچوں کی مِلک ہوتی ہے والدین اسے رشتے داروں کے بچوں کو عیدی میں نہیں دے سکتے اور والدین خود بھی ان پیسوں کو اپنے لئے استعمال نہیں کرسکتے، ہاں

اگر والدین فقیر ہوں اور انہیں پیسوں کی حاجت ہو تو بقدرِ ضرورت اس میں سے استعمال کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ انہیں بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

نیز عیدی یا بچوں کی سالگرہ میں جو لفافے و تحائف (Gifts) بچوں کو ملتے ہیں اس کے متعلق اگر دینے والا خود صراحت کر دے کہ یہ فلاں کے لئے ہیں تو جس کے لئے کہا گیا وہ اسی کے لئے ہوں گے ورنہ جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو کہ وہ بچے کے لئے ہیں، مثلاً چھوٹے کپڑے، کھلونے وغیرہ، تو وہ بچے کے لئے ہوں گے، ورنہ والدین کے لئے، پھر اگر دینے والا باپ کے رشتے داروں یا دوستوں میں سے ہے تو وہ باپ کے لئے ہوں گے اور اگر ماں کے رشتے داروں یا جاننے والوں میں سے ہے تو وہ ماں کے لئے ہوں گے۔ الغرض! عرف وعادت پر اعتبار کیا جائے گا، اگر باپ کے خاندان کی جانب سے زنانہ چیزیں تحائف مثلاً کپڑے وغیرہ آئیں تو وہ عورت کے لئے ہوں گے اور عورت کے خاندان کی طرف سے مردانہ استعمال کی چیزیں آئیں تو مرد کے لئے ہوں گی اور ایسی چیز ہو جو مرد و عورت دونوں استعمال کرتے ہوں، تو جس کے خاندان یا عزیزوں کی جانب سے ہو اسی کے لئے ہوں گی۔

البتہ عیدی کی اتنی بڑی رقم جس کے بارے میں معلوم ہے کہ اتنی رقم بچوں کو نہیں بلکہ ان کے والدین کو ہی دی جاتی ہے تو وہ بچوں کی مِلک نہیں ہو گی بلکہ اوپر کی تفصیل کے مطابق ماں یا باپ کی ہو گی۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

مفتی ابو محمد قاسم عطاری

قضاوفدیہ کے احکام

فتویٰ:51

قضائے رمضان کے روزے کس موسم میں رکھیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوٹ جائیں، توانہیں کسی بھی وقت رکھ سکتے ہیں، یا سردیوں میں چھوٹے ہوئے، سردیوں میں اور گرمیوں میں چھوٹے ہوئے، گرمیوں ہی میں رکھنے ہوں گے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کسی بھی وجہ سے خواہ عذر شرعی کی بنا پر یا بغیر کسی عذر کے، رمضان المبارک کے فرض روزے نہ رکھے ہوں، تو ان کی قضا کرنا ضروری ہے، اور قضا میں اس کا اصلاً اعتبار نہیں کہ جس موسم میں روزے چھوٹے ہیں اسی موسم میں رکھے جائیں، یعنی سردیوں کے روزے سردیوں میں اور گرمیوں کے روزے گرمیوں میں رکھنے کا شرعاً کوئی حکم نہیں۔ البتہ جلد از جلد روزے رکھنے چاہئیں اور اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ اگلا ماہِ رمضان آجائے کہ پچھلے فرض روزے ذمے پر باقی رہنے کی صورت میں اس رمضان کے روزے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقامِ قبولیت پانے سے محروم رہتے ہیں۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الحسن جمیل احمد غوری عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:52

حیض میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا لازم ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ حیض کے دنوں

میں جو نماز روزے چھوٹ گئے ان کی بعد میں قضالازم ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حیض کے دنوں کی نمازیں معاف ہیں، ان کی قضا نہیں، البتہ اس دوران رمضان کے جتنے روزے رہ گئے، وہ بعد میں قضا رکھنے ہوں گے۔

حدیثِ پاک میں ہے: "عن عائشۃ کان یصیبنا ذلک فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاۃ" یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ماہواری میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کا ہمیں حکم دیا گیا لیکن نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا گیا۔

(الصحیح لمسلم، جلد1، صفحہ153، مطبوعہ کراچی)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: "ان دِنوں میں نمازیں معاف ہیں، ان کی قضا بھی نہیں اور روزوں کی قضا اور دنوں میں رکھنا فرض ہے۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ380، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــــہ
مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	سید مسعود علی عطاری مدنی

فتویٰ: 53

روزوں کا فدیہ دینے کی اجازت کس کو ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص شوگر، بلڈ پریشر اور گردے کا مریض ہے۔ روزہ نہیں رکھ سکتا اس کیلئے کیا حکم ہے؟ اسکے ایک روزے کا فدیہ کیا ہو گا اور پورے رمضان کے روزوں کے فدیہ کی کتنی رقم بنتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

روزہ کی بجائے اس کا فدیہ ادا کرنے کا حکم شیخِ فانی کیلئے ہے، مریض کیلئے نہیں۔ شیخِ فانی وہ شخص ہے کہ جو بڑھاپے کے سبب اتنا کمزور ہو چکا ہو کہ حقیقتاً روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، نہ سردی میں نہ گرمی میں، نہ لگاتار نہ متفرق طور پر اور نہ ہی آئندہ زمانے میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔

چنانچہ نقایہ میں ہے: "وشیخ فان عجز عن الصوم افطر" یعنی بوڑھا شخص جو کہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو، وہ روزہ نہیں رکھے گا۔

شرح نقایہ میں ہے: "(شیخ فانٍ) سُمّی بہ لقربہ الی الفناء او لانّہ فنیت قوّتہ" یعنی شیخِ فانی کو فانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فناء کے بہت قریب ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس کی قوت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ (فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، کتاب الصوم، جلد1، صفحہ 582، مطبوعہ کراچی)

کسی بیماری میں مبتلا ہونا بھی روزے چھوڑنے کا عذر نہیں۔ بہت سے شوگر و گردے کے مرض والے بھی روزہ رکھتے ہیں، ہاں مرض اتنا شدید ہے کہ روزہ رکھنا اس کیلئے ضرر کا باعث ہے، تو تا حصولِ صحت اسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اور اس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے، تاہم یہ کھانا اس کے روزے کا بدلہ نہیں ہو گا بلکہ صحت پر ان روزوں کی قضا لازم ہے، ہاں اگر اسی مرض ہی کی حالت میں بڑھاپے کی عمر میں پہنچ گیا اور اس بڑھاپے کی وجہ سے فی الحال اور آئندہ روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رہے، تو ایسا شخص شیخِ فانی ہے، اب اس صورت میں قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرے اور ہر ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار تقریباً 1920 گرام (یعنی دو کلو میں اسّی گرام کم) گندم، آٹا یا اس کی رقم ہے۔ اور اگر شیخِ فانی کی تعریف میں داخل نہ ہوا، تو ورثاء کو قضاء شدہ روزوں کے بدلے میں فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت فتاوی رضویہ شریف میں فرماتے ہیں: "بعض جاہلوں

نے یہ خیال کر لیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کیلئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخِ فانی کیلئے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضعف بڑھے گا اُس کیلئے فدیہ کا حکم ہے اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو، بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازمِ روزہ ہے اور اسی حکمت کیلئے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو مَعَاذَ اللہ! روزے کا حکم ہی بیکار و معطل ہو جائے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 521، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبلِ شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کر دیں، غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کر دیا کہ روزے متفرق کر کے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 547، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایسے مریض کیلئے فدیہ مستحب ہونے کی صورت بیان کرتے ہوئے امامِ اہلسنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: " اگر واقعی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جسے روزہ سے ضرر پہنچتا ہے تو تا حصولِ صحت اُسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اُس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے، ثواب ہے، جبکہ اُسے روزہ کا بدلہ نہ سمجھے اور سچے دل سے نیت رکھے کہ جب صحت پائے گا جتنے روزے قضا ہوئے ہیں ادا کرے گا۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 521، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا صورتِ مستفسرہ میں مذکورہ شخص کیلئے روزہ رکھنا اگر باعثِ ضرر نہیں اگرچہ صحت مند

کے مقابلے میں تھوڑی مشقت زیادہ ہوتی ہو، توایسی صورت میں رمضان کے روزے رکھنا فرض اور چھوڑ دینے کی صورت میں شدید گناہ اور ان کی قضاء کرنالازم ہو گا اور اگر روزہ باعثِ ضرر ہے، توفی الحال روزے ترک کر کے بیماری چلے جانے کی صورت میں ان روزوں کو قضاء کرنالازم ہو گا، ان کے بدلے میں فدیہ دینے سے فدیہ ادانہ ہو گا۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ
محمد سجاد عطاری

الجواب صحیح
مفتی فضیل رضا عطاری

فتویٰ:54

روزوں کی قضا کی بجائے فدیہ کون دے سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے والد صاحب جن کی عمر تقریباً 65 سال ہے اور وہ دل کے مریض بھی ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے سے لاچار ہیں۔ان کے لئے شریعتِ اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس طرح کے افراد کے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ مرض بڑھ جائے گا یا دیر سے اچھا ہو گا تو اجازت ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں اس کی قضا کر لے اور صرف اپنے خیال کا اعتبار نہ کرے، بلکہ غالب گمان ہونا چاہئے اور غالب گمان اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی ظاہری نشانی پائی جائے یا اس کا ذاتی تجربہ ہو یا کسی ماہر طبیب غیر فاسق نے بتایا ہو غیر فاسق طبیب میسر نہ ہو، تو دینی ذہن رکھنے والے ڈاکٹر سے مراجعت کرے یا کوشش کرے کہ ایک سے زائد ڈاکٹروں سے رائے لے اور اگر بغیر غالب گمان کے روزہ نہ رکھا، تو قضا کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرنا ہو گی۔

رہی بات یہ کہ کوئی شخص رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا تو کیا وہ فدیہ ہی دے گا؟ مطلقاً ایسا نہیں ہے اور اگر وہ قضا کے روزے گرمیوں میں نہ رکھ سکے تو گرمیوں کے بجائے سردیوں میں روزہ رکھے، کیونکہ سردیوں کے دن بھی چھوٹے ہوتے ہیں اور موسم بھی ٹھنڈا ہوتا ہے، اس میں ضروری نہیں کہ وہ مسلسل روزے رکھے کہ بعض مریض اس کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ چھوڑ چھوڑ کر بھی رکھ سکتا ہے اور جتنے روزے قضا ہوئے ان کی تعداد پوری کرے اور اگر وہ سردیوں میں بھی روزہ نہیں رکھ سکتے، تو انتظار کریں گے یہاں تک کے بڑھاپے میں پہنچ کر ایسی کیفیت ہو جائے کہ روزہ رکھنے کی سکت نہ رہے کہ نہ اب روزہ رکھ سکتا ہے نہ آئندہ روزہ رکھنے کی امید ہو، تو اس کیفیت پر پہنچے شخص کو شیخِ فانی کہتے ہیں اور شیخِ فانی کے لئے حکم یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے میں فدیہ دے یعنی دو وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کے کھانا کھلائے یا ایک صدقہ فطر کی مقدار کسی مسکین کو دے۔

صدقہ فطر کی مقدار دو کلو سے 80 گرام کم گندم (یعنی ایک کلو 920 گرام) یا اس کا آٹا یا اس کی رقم ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ اگر فدیہ دینے کے بعد اتنی طاقت آگئی کہ اب روزہ رکھ سکتا ہے تو یہ فدیہ یا صدقہ نفل ہو جائیں گے اور اس کے لئے ان روزوں کی قضا کرنی ہو گی۔

(ماخوذ از درمختار، ج 3، ص 463، ردالمحتار، ج 3، ص 471، بہارِ شریعت، ج 2، ص 1006)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ: 55

پورے مہینے کا فدیہ ایک ہی ساتھ ایک ہی فقیر کو دینا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا شیخِ فانی (یعنی ایسا بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو جائے یعنی نہ فی الحال رکھ سکتا ہو اور نہ آئندہ اتنی طاقت کی امید کہ رکھ سکے گا) کے لیے ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کا مکمل فدیہ شروع ماہ میں دینا جائز

ہے؟ نیز کیا ایک ہی فقیر کو تیس روزوں کا فدیہ دیدے تو جائز ہے یا تیس فقیروں کو دینا ضروری ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

شیخ فانی کو اختیار ہے کہ وہ روزوں کا فدیہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے ادا کر دے یا ختم ماہ کے بعد ادا کرے، ایک فقیر کو پورے ماہ کا دیدے یا کئی فقیروں کو دیدے۔

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

فتویٰ:56

گزشتہ سالوں کے روزوں کا فدیہ دینے میں کس سال کی قیمت کا اعتبار ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ 20 سال پہلے ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد صاحب کے کچھ روزے زندگی میں چھوٹ گئے تھے، اُن روزوں کا فدیہ ہم اب دینا چاہتے ہیں، حیلہ وغیرہ نہیں کرنا، پوری پوری رقم ادا کرنی ہے۔ جس کے لیے آپ سے یہ شرعی رہنمائی درکار ہے کہ فدیہ ادا کرنے میں کس سال کے صدقہ فطر کی قیمت کا اعتبار ہو گا؟ جس سال والد صاحب کے روزے قضا ہوئے تھے، اس سال کے صدقہ ٔفطر کی قیمت کا اعتبار ہو گا یا ابھی جب ہم ادا کریں گے، تو اِس سال کے صدقہ ٔفطر کی قیمت کا اعتبار ہو گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں آپ کے والد صاحب کے جس سال کے روزے قضا ہوئے تھے، اس سال کے صدقہ ٔفطر کی قیمت کا اعتبار ہو گا، ابھی ادا کرتے ہوئے موجودہ سال کے صدقہ ٔفطر کی قیمت کا اعتبار نہیں ہو گا، کیونکہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور کفارات میں ان کے واجب ہونے کے دن کی قیمت کا

اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ جس دن ادا کیے جائیں، اس دن کی قیمت کا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں لازم ہونے والے دن کی قیمت سے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "تعتبر القیمۃ عند حولان الحول اذا کان لہ مائتا قفیز حنطۃ للتجارۃ تساوی مائتی درھم فتم الحول ثم زاد السعر أو انتقص فان أدی من عینھا أدی خمسۃ أقفزۃ وان أدی القیمۃ تعتبر قیمتھا یوم الوجوب" ترجمہ: (زکوٰۃ کی ادائیگی میں قمری) سال مکمل ہونے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (مثال کے طور پر) کسی شخص کے پاس دو سو قفیز تجارت کے لیے گندم تھی، جو دو سو درہم کے برابر تھی، اس پر سال مکمل ہو گیا۔ پھر قیمت بڑھ گئی یا کم ہو گئی، تو اگر اس شخص نے اُن (گندم کے قفیز) کے ذریعے ہی زکوٰۃ نکالنی ہے، تو پانچ قفیز ادا کرے گا اور اگر قیمت کے ذریعے نکالے، تو جس دن زکوٰۃ لازم ہوئی تھی (یعنی سال مکمل ہوا تھا،) اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (الفتاویٰ الھندیہ، کتاب الزکوٰۃ، الفصل فی العروض، جلد 1، صفحہ 198، مطبوعہ کراچی)

کفارہ وغیرہ سے متعلق در مختار میں ہے: "وجاز دفع القیمۃ في زکاۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وکفارۃ غیر الإعتاق وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب" ترجمہ: زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر، نذر کی ادائیگی میں اور اعتاق یعنی غلام آزاد کرنے والے کفارہ کے علاوہ ہر طرح کے کفارے میں قیمت ادا کرنا، جائز ہے اور قیمت ادا کرنے میں مذکورہ چیزیں لازم ہونے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنم، جلد 3، صفحہ 250، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن روزوں کے فدیہ سے متعلق فرماتے ہیں: "قیمت میں نرخ بازار آج کا معتبر نہ ہو گا جس دن ادا کر رہے ہیں، بلکہ روزِ وجوب کا۔ مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی، آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہو گا، دو ۲ آنے دینا لازم اور (اگر اُس وقت) ایک آنہ تھی اب دو آنے ہو گئی، تو دو آنے ضرور نہیں

ایک آنہ کافی۔" (فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ531، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

متفرقات

فتویٰ:57

کیا رمضان کی مبارک باد دینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آمدِ رمضان کے متعلق یہ روایت بیان کی جارہی ہے کہ جس نے سب سے پہلے کسی کو رمضان کی مبارک باد دی، اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔ کیا ایسی کوئی روایت موجود ہے؟ اور کیا اسے شیئر کر سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

ماہِ رمضان المبارک بہت فضائل کا حامل ہے۔ اس کی آمد کی خوشخبری دینا اور فضائل بیان کرنا نہ صرف جائز، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: واللفظ للاول: ”قال نبي الله صلى الله عليه وسلم وهو يبشر اصحابه: قد جاء كم رمضان شهر مبارک، افترض علیکم صیامه، تفتح فيه ابواب الجنة و تغلق فيه ابواب الجحيم وتغل فيه الشياطين، فيه ليلة القدر خير من الف شهر، من حرم خيرها فقد حرم“ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو (ماہِ رمضان کی آمد پر) خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تحقیق تمہارے پاس مبارک مہینا رمضان آگیا ہے۔ اس کے روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں۔ اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں ایک ایسی رات ہے، جو ہزار مہینوں

سے بھی افضل ہے، جو اس میں بھلائی سے محروم رہا، تحقیق وہ محروم ہو گیا۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصیام، جلد2، صفحہ419، مطبوعہ ملتان)

اس حدیث کے تحت علامہ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمۃ (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں: "قال بعض العلماء: هذا الحديث اصل في تهنئة الناس بعضهم بعضا بشهر رمضان" ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں: یہ حدیث لوگوں کا ایک دوسرے کو رمضان کی مبارک باد دینے پر دلیل ہے۔" (لطائف المعارف، وظائف شهر رمضان، صفحہ148، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

لیکن جہاں تک سوال میں مذکور روایت کا تعلق ہے، تو ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، نہ علماء سے سنی، بلکہ ایسی باتیں عموماً من گھڑت ہوا کرتی ہیں اور یاد رہے! من گھڑت بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصداً منسوب کرنا حرام ہے۔ حدیث مبارک میں اس پر سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" ترجمہ: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، جلد1، صفحہ21، مطبوعہ کراچی)

نیز بغیر تحقیق و تصدیق ہر سنی سنائی بات کو آگے پھیلانا بھی نہیں چاہیے کہ حدیث پاک میں ایسے شخص کو جھوٹا فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے: "كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع" ترجمہ: انسان کے جھوٹا ہونے کو یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔"

(الصحیح لمسلم، باب النھی عن الحدیث بکل ماسمع، جلد 1، صفحہ 9، مطبوعہ کراچی)

لہٰذا ایسی روایات پر مشتمل میسجز اور پوسٹیں شیئر کرنے سے بچنا بہت ضروری ہے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:58

جمعۃ الوداع اور قضائے عمری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ رمضان شریف کے مہینے میں جمعۃ الوداع کو چار رکعتیں قضائے عمری کی ادا کی جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے گزشتہ تمام نمازیں ادا ہو جاتی ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ اور اس بارے میں ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے، کیا وہ درست ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جمعۃ الوداع میں قضا عمری کے طور پر چند رکعات ادا کر کے یہ سمجھنا کہ سابقہ تمام قضا شدہ نمازیں ادا ہو جاتی ہیں، باطل محض اور بدترین بدعت ہے۔ اس پر جو روایت پیش کی جاتی ہے، موضوع یعنی من گھڑت ہے۔ قضا نمازیں ادا کرنے کا یہ طریقۂ کار حدیثِ مبارک کے خلاف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز بھول گیا، تو جب یاد آئے، ادا کر لے۔ ادائیگی کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ یونہی یہ طریقہ اجماع کے بھی خلاف ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے (فارسی) میں اسی طرح کا سوال ہوا، تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواباً ارشاد فرمایا: (ترجمہ:) ”فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو

طریقہ (قضائے عمری) ایجاد کر لیا گیا ہے، یہ بدترین بدعت ہے۔ اس بارے میں جو روایت ہے، وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے۔ یہ عمل سخت ممنوع ہے۔ ایسی نیت و اعتقاد باطل و مردود، اس جہالتِ قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 8، صفحہ 155، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ: 59

کیا شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ شوال میں چھ روزے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ سنا ہے کہ یہ روزے رکھنا مکروہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

عید الفطر کے دن کے بعد سے شوال کے چھ روزے متصلاً یا متفرقاً رکھنے میں شرعاً حرج نہیں بلکہ مستحب اور باعث ثواب ہے، البتہ یہ روزے اس طرح رکھنا کہ رمضان کے روزوں سے متصل ہوں یعنی عید الفطر والے دن بھی روزہ رکھے اور اس کے بعد پانچ روزے رکھے، تو مکروہ ہے۔

مسلم و ابو داود و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و طبرانی ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: (واللفظ للمسلم) "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال، كان كصيام الدهر" ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو ایسا ہے جیسے دہر کا روزہ رکھا۔ (الصحیح لمسلم، جلد 2، صفحہ 822، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے" المکروہ ہو أن یصوم یوم الفطر، ویصوم بعدہ خمسة أیام، فأما إذا أفطر یوم العید ثم صام بعدہ ستة أیام: فلیس بمکروہ بل ہو مستحب وسنة "ترجمہ: مکروہ یہ ہے کہ عید الفطر کے دن روزہ رکھے اور اس کے بعد پانچ دن روزہ رکھے، پس جب عید کے دن افطار کیا یعنی روزہ نہ رکھا پھر اس کے بعد چھ روزے رکھے پس یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ یہ مستحب وسنت ہے۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، جلد2، صفحہ78، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی میں ہے:" و عامة المتاخرین لم یروا بہ باسا " ترجمہ: اور عام متاخرین علماء اس میں بارے کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

(المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، جلد2، صفحہ393، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:" والأصح أنہ لا بأس بہ کذا فی محیط "ترجمہ: اور صحیح یہ ہے کہ ان روزوں کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ محیط میں ہے۔

(الفتاوی الھندیہ، جلد1، صفحہ201، دار الفکر، بیروت)

مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں:" نفل دو ہیں: نفل مسنون، نفل مستحب جیسے عاشورا یعنی دسویں محرم کا روزہ اور اس کے ساتھ نویں کا بھی اور ہر مہینے میں تیرھویں، چودھویں، پندرھویں اور عرفہ کا روزہ، پیر اور جمعرات کا روزہ، شش عید کے روزے، صوم داود علیہ السلام، یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ966، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

فتویٰ:60

شوال کے چھ روزے اکٹھے رکھے جائیں یا الگ الگ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ رَمَضان المُبارَک کے بعد شوّال کے جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں، کیا ان کو عید کے بعد لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ بھی رکھے جاسکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

شوّال کے چھ روزوں کی کتبِ احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے، جو شخص شوّال کے چھ روزے رکھے گویا اُس نے زمانے بھر کا روزہ رکھا اور ان کا لگاتار رکھنا ضروری نہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ ان روزوں کو الگ الگ رکھا جائے۔ نبیِّ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے رَمَضان کے روزے رکھے پھر اِن کے بعد چھ روزے شوّال میں رکھے تو گویا کہ اُس نے زمانے بھر کا روزہ رکھا۔

(الصحیح لمسلم، جلد2، صفحہ822، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ:61

روزے کی منت مانی اور شدید بیمار ہو گئے تو کیا حکم ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہندہ نے یوں منت مانی کہ **"میرا بیٹا امتحان میں پاس ہو گیا، تو میں ایک روزہ رکھوں گی"** اب اس کا بیٹا تو امتحان میں پاس ہو گیا، لیکن ہندہ اتنی بیمار ہے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتی۔ ڈرپ کے ذریعہ اسے کھانا پانی دیا جاتا ہے بظاہر ہندہ کے صحت یاب ہونے کی بھی کوئی امید نہیں۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اب اس صورت میں

ہندہ کے لیے منت کے روزے کا کیا حکم ہے؟ کیا ہندہ کی طرف سے اس روزے کا فدیہ ادا کیا جا سکتا ہے؟ رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں یہ منت درست ہے اور اس منت کی وجہ سے ہندہ پر ایک روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔ نیز پوچھی گئی صورت میں ہندہ کی کیفیت کے پیش نظر کافی تفصیل ہے جو مختلف احکامات کے ساتھ چند پیراگراف میں درج ذیل ہے:

اولاً: تو یہ یاد رہے کہ روزے کی بجائے اس کا فدیہ ادا کرنے کا حکم فقط شیخِ فانی کے لیے ہے، مطلق مریض کے لیے یہ حکم نہیں۔ شیخِ فانی وہ شخص ہوتا ہے جو بڑھاپے کے سبب اتنا کمزور ہو چکا ہو کہ حقیقتاً اس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ ہو، نہ سردی میں نہ گرمی میں، نہ لگاتار نہ متفرق طور پر اور نہ ہی آئندہ زمانے میں اس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔ ایسے شیخِ فانی کے لیے شرعاً حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ روزے کا فدیہ ادا کرے خواہ وہ روزہ رمضان کا ہو یا قضا کا ہو یا منت کا ہو، بہر صورت اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اس روزے کا فدیہ ادا کرے، البتہ اگر فدیہ دینے کے بعد شیخِ فانی میں اتنی طاقت آجائے کہ وہ روزہ رکھ سکے تو اس صورت میں وہ دیا گیا فدیہ نفل شمار ہو گا اور روزے کی قضا نئے سرے سے اس کے ذمہ لازم آئے گی۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہوا کہ پوچھی گئی صورت میں اگر ہندہ شیخِ فانیہ ہے تو پھر اس کی طرف سے اس منت کے روزے کا فدیہ ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر ہندہ شیخِ فانیہ نہیں تو اس صورت میں اس کی طرف سے اس منت والے روزے کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ بیماری جانے کا انتظار کرے اور صحت یاب ہونے پر اس روزے کی ادائیگی کرے۔

اگر صورتِ مسئولہ میں ہندہ شیخِ فانیہ کی حد تک بھی نہ پہنچے اور اسے کفارہ لازم ہونے سے لے

کر اب تک بیماری وغیرہ معتبر عذر کی بنا پر منت کا وہ روزہ رکھنے کا موقع بھی نہ ملے تو اس صورت میں ہندہ پر فدیہ کی وصیت کر کے جانا واجب نہیں کہ فدیہ کی وصیت کر کے جانا فقط اسی وقت واجب ہوتا ہے جب معذور کو روزہ رکھنے کا موقع ملے لیکن پھر بھی وہ روزہ نہ رکھے ، البتہ اگر وصیت واجب نہ ہونے والی صورت پائی جاتی ہے اور ہندہ پھر بھی وصیت کر جاتی ہے ، تو یہ وصیت درست ہے جو ہندہ کے تہائی مال میں جاری ہوگی۔

اگر صورتِ مسئولہ میں ہندہ کو بیماری وغیرہ عذر ختم ہونے کے سبب منت کا یہ روزہ رکھنے کا موقع مل جاتا ہے ، لیکن پھر بھی وہ روزہ نہ رکھے۔ پھر وہ دوبارہ بیمار ہو کر بستر مرگ میں جا پہنچے لیکن شیخ فانیہ بھی نہ ہو ، تو اب ہندہ پر فدیہ کی وصیت کر کے جانا واجب ہو گا۔ ہاں اگر ہندہ نے وصیت نہ کی مگر ورثاء نے اپنی طرف سے ہندہ کے اس روزے کا فدیہ ادا کر دیا تو ان کا ایسا کرنا بھی جائز اور ایک عمدہ عمل ہے ، اگرچہ ورثاء پر ایسا کرنا واجب نہ تھا۔

شرط پائی جانے کی صورت میں منت کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: "**فان علقه بشرط يريده** كان قدم غائبي او شفى مريضي **يوفى وجوباً ان وجد الشرط**" یعنی اگر کوئی شخص نذر کو کسی ایسی شرط پر معلق کرتا ہے جس کا ہونا اسے پسند ہو ، جیسا کہ وہ کہے اگر اللہ تعالیٰ میرے غائب کو واپس لوٹا دے یا اللہ تعالیٰ میرے مریض کو شفا دے ، تو اب شرط پائے جانے کی صورت میں اس نذر کو پورا کرنا ہی اس پر واجب ہو گا۔

(ملخصاً از ردالمحتار مع الدر المختار ، کتاب الایمان ، جلد 5 ، صفحہ 542 ، 543 ، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "**اگر ایسی چیز پر معلق کیا کہ اوس کے ہونے کی خواہش ہے** مثلاً اگر میرا لڑکا تندرست ہو جائے یا پردیس سے آجائے یا میں روزگار سے لگ جاؤں تو اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا خیرات کروں گا **ایسی صورت میں جب شرط پائی گئی** یعنی بیمار اچھا ہو گیا یا لڑکا پردیس سے آ گیا یا روزگار لگ گیا **تو اوتنے روزے رکھنا یا خیرات کرنا ضرور ہے** ، یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کام نہ کرے اور

اس کے عوض میں کفارہ دیدے۔" (بہارشریعت، جلد2، صفحہ314، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شیخِ فانی کسے کہتے ہیں؟ اس کے متعلق شرح النقایہ میں ہے:"(و شیخ فان) سمی به لقربه الی الفناء او لانه فنیت قوته (عجز عن الصوم افطر)" یعنی بوڑھا شخص جو کہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو، وہ روزہ نہیں رکھے گا، اسے شیخِ فانی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ فنا کے بہت قریب ہوتا ہے یا اس لیے کہ اس کی قوت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

(فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، کتاب الصوم، جلد1، صفحہ582، مطبوعہ کراچی)

شیخِ فانی کو روزے کا فدیہ دینے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:"(وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی)وجوبا لو موسراً وإلا فیستغفر اللہ، ھذا اذا کان الصوم اصلاً بنفسه وخوطب بادائه" ترجمہ:"شیخِ فانی جو روزہ رکھنے سے بالکل عاجز آجائے اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور اس روزے کے بدلے فدیہ دینا واجب ہے اگر وہ خوشحال ہو، ورنہ وہ استغفار کرے، یہ حکم اس روزے کے بارے میں ہے جو بذاتِ خود اس پر واجب ہو(یعنی کسی چیز کے بدل میں نہ ہو جیسے قسم اور قتل کے روزے وغیرہ کہ ان میں اصل فدیہ اور دیت ہے روزے ان کا بدل ہیں) اور اس کی ادیگی کا اسے حکم دیا ہو۔"

درِمختار کی عبارت (اصلاً بنفسه) کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"کرمضان وقضائه **والنذر** کما مر فیمن نذر صوم الابد، وکذا لو نذر صوما معینا فلم یصم حتی صار فانیا جازت له الفدیة، بحر" ترجمہ: جیسے رمضان، قضائے رمضان اور منت کے روزے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت ماننے والے کا مسئلہ ماقبل گزرا ہے، اسی طرح اگر کسی نے معین دن کے روزے کی منت مانی پھر اس نے روزہ نہ رکھا یہاں تک کہ وہ شیخِ فانی ہو گیا تو اب اسے روزے کا فدیہ دینا جائز ہے،"بحر"۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، جلد3، صفحہ472، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”بعض جاہلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، **فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضُعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے۔**“

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ 521، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”**جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں،** اگر قبل شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کردیں، غرض یہ ہے کہ **کفارہ اس وقت ہے کہ** روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو **اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا** کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کردیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کرکے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو **بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں، ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے۔**“

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ 547، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

انتقال کے بعد میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”**ولو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لا قضاء علیه** لکنه إن أوصی بأن یطعم عنه صحت وصیته، وإن لم تجب علیه ویطعم عنه من ثلث ماله فإن برئ المریض أو قدم المسافر، **وأدرک من الوقت بقدر ما فاته فیلزمه قضاء جمیع ما أدرک فإن لم یصم حتی أدرکه الموت فعلیه أن یوصي بالفدیة** کذا في البدائع ویطعم عنه ولیه لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعیر کذا في الهدایة۔ فإن لم یوص وتبرع عنه الورثة جاز، ولا یلزمهم من غیر إیصاء کذا في فتاوی قاضي خان“ **یعنی جس کا رمضان کا روزہ مرض یا سفر کے عذر کی بنا پر قضا ہوا اور اس کا وہ مرض اور سفر جاری رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوا تو اس روزے کی قضاء لازم نہیں**

لیکن اگر اس نے اس روزے کے بدلے میں کھانا کھلانے کی وصیت کی تھی تو اس کی وصیت درست ہو گی، اگرچہ اس پر وصیت کرنا واجب نہ تھا اور اس کے تہائی مال میں سے فقراء کو کھانا کھلایا جائے گا۔ ہاں اگر مریض شفایاب ہو گیا تھا یا پھر مسافر سفر سے لوٹ آیا تھا اور اس نے روزے کی قضاء کرنے کے وقت کو بھی پالیا تھا تو اس صورت میں ان تمام چُھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء اس کے ذمہ لازم ہو گی پس اگر اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ اسے مرض الموت نے آلیا تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کرے جیسا کہ بدائع میں ہے اور اس کا ولی ہر دن ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو صدقہ کرے جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور اگر اس نے وصیت نہ کی لیکن ورثا تبرعاً اس کی طرف سے فدیہ دے دیں تب بھی جائز ہے، اگرچہ بغیر وصیت کے ورثاء پر یہ فدیہ دینا لازم نہیں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 207، مطبوعہ پشاور)

روزے کا موقع نہ ملے تو وصیت کر کے جانا واجب نہیں۔ جیسا کہ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: "(فإن ماتوا فيه) أي في ذلک العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية) لعدم إدراكهم عدة من أيام أخر (ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدة من أيام أخر" یعنی وہ افراد کہ جنہیں عذر کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے یہ اگر اپنے اسی عذر میں فوت ہو جائیں تو دوسرے ایام نہ پائے جانے کی وجہ سے ان پر روزے کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں۔ ہاں اگر ان کا انتقال عذر زائل ہونے کے بعد ہوا ہو تو اب ان پر اتنے دنوں کے روزوں کی وصیت کر کے جانا واجب ہے جتنے دن انہیں روزہ رکھنے کا موقع ملا مگر روزہ نہ رکھا۔"

اس عبارت کے تحت رد المحتار میں ہے: "قوله: (فإن ماتوا الخ) ظاهر في رجوعه إلى جميع ما تقدم حتى الحامل والمرضع ۔۔۔ **فإن كل من أفطر بعذر ومات قبل زواله لا**

یلزمه شیء۔۔۔ قوله: (لعدم إدراكهم الخ) أي فلم يلزمهم القضاء، ووجوب الوصية فرع لزوم القضاء" یعنی ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد تمام وہ افراد ہیں جن کا ذکر ما قبل ہو چکا، یہاں تک کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی اس حکم میں داخل ہے۔۔۔ پس ہر وہ شخص جس نے کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑا اور اس عذر کے زائل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس پر کوئی شے لازم نہیں۔۔۔ ان کے دوسرے ایام کو نہ پائے جانے کی وجہ سے ان پر ان عذر کے دنوں کی قضا لازم نہیں اور وصیت کا وجوب قضا لازم ہونے ہی کی فرع ہے (لہذا وصیت بھی واجب نہیں ہو گی)۔"

(ردالمحتار مع درالمختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، جلد3، صفحہ 466، مطبوعہ کوئٹہ)

بہارِ شریعت میں ہے: "اگر یہ لوگ اپنے اُسی عذر میں مر گئے، اتنا موقع نہ ملا کہ قضا رکھتے تو ان پر یہ واجب نہیں کہ فدیہ کی وصیت کر جائیں پھر بھی وصیت کی تو تہائی مال میں جاری ہو گی اور اگر اتنا موقع ملا کہ قضا روزے رکھ لیتے، مگر نہ رکھے تو وصیت کر جانا واجب ہے اور عمداً نہ رکھے ہوں تو بدرجہ اَولیٰ وصیت کرنا واجب ہے اور وصیت نہ کی، بلکہ ولی نے اپنی طرف سے دے دیا تو بھی جائز ہے مگر ولی پر دینا واجب نہ تھا۔"

(بہارشریعت، جلد1، صفحہ 1005، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

فتویٰ: 62

رمضان میں شیطان کو قید کہاں کیا جاتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ رمضان المبارک کے فضائل میں سے یہ بھی ہے، کہ شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ انہیں کہاں جکڑا جاتا ہے؟ دنیا میں، آسمان پر، زیرِ زمین، جہنم میں یا کہیں اور؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ماہِ رمضان بہت فضائل کا حامل ہے، احادیث طیبہ میں اس کے کثرت سے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، انہی میں سے ایک فضیلت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے:"اذا دخل رمضان، فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشياطين"ترجمہ: جب رمضان المبارک شروع ہوتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، جلد1، صفحہ463، مطبوعہ کراچی)

مسلم شریف میں "صفدت الشياطين" کے الفاظ بھی موجود ہیں، جن کے معنی ہیں: شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل شھر رمضان، جلد1، صفحہ346، مطبوعہ کراچی)

محدثین کرام و علمائے عظام نے اس حدیث مبارک کی شرح میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں:

ایک قول کے مطابق یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، کہ حقیقی طور پہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔(**یہ بھی کہا گیا ہے** کہ تمام شیاطین کو قید نہیں کیا جاتا، بلکہ سرکش شیاطین قید ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں "مردۃ الشیاطین" کے الفاظ آئے ہیں)۔

بہر صورت یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قید کر کے کہاں رکھا جاتا ہے؟ اس کے متعلق درمنثور، شعب الایمان، کنز العمال، فضائل شہر رمضان للبیہقی وغیرہ میں یہ روایت منقول ہے کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات آتی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے رضوان: جنتوں کے

دروازے کھول دو، اے مالک: امت محمدی کے روزہ داروں کے لئے جہنم کے دروازے بند کر دو اور اے جبریل: زمین پر اترو، سرکش شیاطین کو قید کرو، ان کو طوق اور ہتھکڑیوں کے ساتھ جکڑ کر سمندر میں پھینک دو، تاکہ وہ میرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتیوں کے روزوں میں فساد نہ پھیلا سکیں۔ (بعض روایات میں "سمندر کی گہرائیوں" میں پھینک دینے کا ذکر ہے)۔

جبکہ **دوسرے قول کے مطابق** یہ حدیث مجازی معنی پر محمول ہے، یعنی روزے کی وجہ سے شہوت، غصے اور دیگر گناہوں کا سبب بننے والی قوتِ حیوانیہ ختم ہو جاتی ہے، اور نیکیوں کی طرف مائل کرنے والی قوتِ عقلیہ بیدار ہو جاتی ہے، اس وجہ سے انسانی نفوس، شیاطین کی طرف سے دھوکا کھانے اور ان کے وسوسے قبول کرنے سے رک جاتے ہیں اور شیاطین اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے، تو یہ حصول مقصد کے معاملے میں ایسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے انہیں قید کر دیا گیا ہو۔

حدیث کے اپنے ظاہری معنی پر محمول ہونے کے متعلق شرح نووی میں ہے: "(وصفدت الشیاطین) فقال القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی: یحتمل انه علی ظاهره وحقیقته، وان تفتیح ابواب الجنة وتغلیق ابواب جهنم وتصفید الشیاطین علامة لدخول الشهر وتعظیم لحرمته ویکون التصفید لیمتنعوا من ایذاء المؤمنین والتهویش علیهم" ترجمہ: (شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے) علامہ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس حدیث میں احتمال ہے کہ یہ اپنے ظاہری و حقیقی معنی پر محمول ہو اور بے شک جنت کے دروازوں کو کھولنا اور جہنم کے دروازوں کو بند کر دینا اور شیاطین کو جکڑ دیا جانا، اس ماہِ مبارک کے داخل ہونے کی علامت، اور اس کی حرمت کی تعظیم کے لئے ہے اور شیاطین کو اس لئے جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ مؤمنوں کو ایذا دینے اور انہیں فتنے میں ڈالنے سے باز رہیں۔"

(شرح نووی علی مسلم، جلد 7، صفحہ 188، مطبوعہ بیروت)

بعض شیاطین کو قید کرنے کے متعلق عمدۃ القاری میں ہے: "وقیل: المسلسل بعض الشیاطین وهم المردة لا کلهم، کما تقدم فی بعض الروایات --- وقیل: لا یلزم من

تسلسلھم وتصفیدھم کلھم ان لا تقع شرور ولا معصیۃ، لان لذلک اسبابا غیر الشیاطین، کالنفوس الخبیثۃ والعادات القبیحۃ والشیاطین الانسیۃ" ترجمہ: ایک قول کے مطابق بعض سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے، نہ کہ تمام شیاطین کو، جیسا کہ پیچھے بعض روایات میں بیان ہو چکا۔۔۔ اور کہا گیا ہے کہ تمام شیاطین کو جکڑنے اور قید کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ اب برائیاں اور گناہ نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کے اسباب تو شیاطین کے علاوہ اور بھی ہیں۔ جیسے: خبیث نفوس، بری عادات اور انسانی شیاطین۔"

(عمدۃ القاری، کتاب الصوم، جلد 8، صفحہ 27، مطبوعہ ملتان)

شیاطین کو سمندر میں پھینک دینے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ شعب الایمان، الترغیب والترہیب، کنز العمال وغیرہ کی طویل حدیث مبارک کا کچھ حصہ یہ ہے: "ان الجنۃ لتنجد وتزین من الحول الی الحول لدخول شھر رمضان، فاذا کانت اول لیلۃ من شھر رمضان، ھبت ریح من تحت العرش۔۔۔ ویقول اللہ عزوجل: یا رضوان: افتح ابواب الجنان، ویا مالک: اغلق ابواب الجحیم علی الصائمین من امۃ محمد ویا جبریل: اھبط الی الارض، فاصفد مردۃ الشیاطین وغلھم بالاغلال، ثم اقذفھم فی البحار، حتی لا یفسدوا علی امۃ محمد حبیبی صیامھم" ترجمہ: بے شک جنت کو ماہِ رمضان کی آمد کے لئے ایک سال سے دوسرے سال تک آراستہ و مزین کیا جاتا ہے، پس جب ماہِ رمضان کی پہلی رات آتی ہے، تو عرش کے نیچے سے ہوا چلتی ہے۔۔۔ اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے رضوان! جنتوں کے دروازے کھول دو اور اے مالک! امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دو اور اے جبریل (علیہم السلام)! زمین پر اترو اور سرکش شیاطین کو قید کرو، ان کو طوق اور ہتھکڑیوں کے ساتھ جکڑ کر سمندر میں پھینک دو، تاکہ وہ میرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتیوں کے روزوں میں فساد پیدا نہ کر سکیں۔"

(شعب الایمان، کتاب الصیام، جلد 5، صفحہ 276، مطبوعہ ریاض)

کنز العمال کے الفاظ یہ ہیں: " ثم اقذف بهم في لجج البحار "(یعنی شیاطین کو جکڑ کر سمندر کی گہرائیوں میں پھینک دو۔"

(کنز العمال، کتاب الصوم، فصل فی فضلہ۔۔۔، جلد 8، صفحہ 586، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حدیث شریف کا مجازی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "(وسلسلت الشياطين) اى قيدت بالسلاسل مردتهم وقيل: كناية عن امتناع تسويل النفوس واستعصائها عن قبول وساوسهم، اذ بالصوم تنكسر القوة الحيوانية، التي هي مبدا الغضب والشهوات الداعيين الى انواع السيئات وتنبعث القوة العقلية المائلة الى الطاعات، كما هو مشاهد ان رمضان اقل الشهور معصية و اكثرها عبادة" ترجمہ: (شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے) یعنی ان میں سے سرکش شیاطین کو زنجیروں کے ساتھ قید کر دیا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق (شیاطین کو قید کرنا) انسانی نفوس کے گمراہ ہونے اور شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے سے بچنے سے کنایہ ہے، کیونکہ روزے کی وجہ سے مختلف برائیوں کا سبب بننے والے غصے اور شہوتوں کو پیدا کرنے والی قوتِ حیوانیہ ختم ہو جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف مائل کرنے والی قوتِ عقلیہ بیدار ہو جاتی ہے۔ جس طرح مشاہدہ ہے کہ دیگر مہینوں کی بنسبت ماہِ رمضان میں گناہ کم اور عبادت زیادہ ہوتی ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصوم، جلد 4، صفحہ 387، مطبوعہ کوئٹہ)

شرح صحیح بخاری لابن بطال میں ہے: "(فتحت ابواب الجنة وسلسلت الشياطين) معنيين: احدهما: انهم يسلسلون على الحقيقة، فيقل اذاهم ووسوستهم ولا يكون ذلك منهم، كما هو في غير رمضان وفتح ابواب الجنة على ظاهر الحديث والثاني: على المجاز ويكون المعنى في فتح ابواب الجنة ما فتح الله على العباد فيه من الاعمال المستوجب بها الجنة من الصلاة والصيام وتلاوة القرآن۔۔۔ وكذلك قوله: (سلسلت الشياطين) يعني: ان الله يعصم فيه المسلمين او اكثرهم في الاغلب عن

المعاصی والمیل الی وسوسۃ الشیاطین وغرورھم" ترجمہ:(جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے)اس حدیث کے دو معنی ہیں: ایک ظاہری: وہ یہ کہ انہیں حقیقۃً قید کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کا شر اور وسوسے کم ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف سے یہ معاملات رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں کی طرح نہیں ہوتے۔ نیز جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوسرا مجازی: یعنی جنت کے دروازے کھولنے سے مراد اللہ عزوجل کا اس ماہِ مبارک میں اپنے بندوں کو نماز، روزے اور تلاوتِ قرآن وغیرہ جنت میں لے جانے والے اعمال کی توفیق عطا فرمانا ہے۔۔۔ یونہی شیاطین کو جکڑنے سے مراد اللہ عزوجل کا اس ماہِ مبارک میں تمام یا اکثر مسلمانوں کو گناہوں اور شیطانی وساوس اور ان کے دھوکے کی طرف مائل ہونے سے بچانا ہے۔"

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 20، مطبوعہ ریاض)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حدیث پاک

یہ رمضان تمہارے پاس آگیا ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ محروم ہے وہ شخص جس نے رمضان کو پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی کہ جب اس کی رمضان میں مغفرت نہ ہوئی، تو پھر کب ہو گی؟

(مجمع الزوائد، کتاب الصیام، رقم 4788، ج 3، ص 345)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی

UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278

www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net

feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net